بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

شمارہ نمبر ۶ — ۲۵ جنوری ۲۰۲۴ء مطابق ۱۳ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ — جلد نمبر ۶۱

اس شمارے میں

شعروادب		
سب کا وہی ہے خالق، سب کا......	مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ	۴
اداریہ		
ندوہ-زندہ تمنا	محمد عمیر الصدیق ندوی	۵
ایمانِ کامل		
آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے کی ضمانت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
ارشاد وتذکیر		
ایک خطرناک سماجی بیماری	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۲
راہِ عمل		
پا جا سراغِ زندگی............	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۳
یادوں کے چراغ		
دادا مرحوم کی کچھ یادیں-کچھ باتیں	ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی	۱۸
محاسنِ اسلام		
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا......	ڈاکٹر سراج الدین ندوی	۲۰
اصلاحِ حال		
شخصیت سازی کے چند رہنما اصول	محمد عثمان خان ندوی	۲۳
انوارِ ربانی		
خیر کی تین باتیں	محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۲۵
رسید کتب		
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۸
روداد چمن		
ایک علمی وتربیتی سفر	محمد مصعب بارہ بنکوی	۳۰
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے-	75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

سب کا وہی ہے خالق، سب کا وہی خدا ہے

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

اللہ ایک ہی ہے اور ہے اللہ سب کا
سب ہیں فقیر اس کے، وہ بادشاہ سب کا

اس نے زمیں بنائی اور آسماں بنایا
اک لفظ کُن سے اس نے سارا جہاں بنایا

نیکی بدی کا مالک، خلاقِ دو جہاں ہے
ہے پاک جسم وجاں سے، بے عیب ولا مکاں ہے

ماں باپ ہیں نہ اس کے، بیوی نہ کوئی بیٹا
ہے بے نیاز سب سے، ہے شرک سے مبرا

زندہ ہے وہ ازل سے باقی سدا رہے گا
سارا جہان اس کے دَر کا گدا رہے گا

محتاج ہیں سب اس کے ہوں پیر یا پیمبر
اس کا نہ کوئی ساتھی، اس کا نہ کوئی ہم سر

اس کے علاوہ کوئی حاجت روا نہیں ہے
مشکل کشا بھی کوئی اس کے سوا نہیں ہے

غیب و شہود دونوں کا علم ہے اسی کو
دے دخل اس میں کچھ بھی سوحق نہیں کسی کو

بندے ہیں سب اسی کے جنات ہوں یا انساں
سب کا وہی محافظ، سب کا وہی ہے نگراں

چاہے جسے وہ مارے، چاہے جسے جلائے
دے جس کو چاہے فاقہ، چاہے جسے کھلائے

دیتا ہے وہ بلا کر محتاج و بے نوا کو
سنتا ہے بے قرار و بے چین کی دعا کو

ہوتا وہی ہے پورا کرتا ہے جو ارادہ
ہوتا نہیں ہے اس کی منشا سے کم یا زیادہ

اچھی ہو یا بری ہو تقدیر دی اسی نے
بخشا ہنر اسی نے تدبیر دی اسی نے

کیا علم و عقل و دولت کیا عزت و حکومت
بخشش ہے سب اسی کی سب ہیں نشانِ رحمت

قول وعمل میں اس کے ادنیٰ بھی شک نہیں ہے
جو بھی ہے حکم اس کا اس پر ہمیں یقیں ہے

اول ہے اور آخر، باطن ہے اور ظاہر
وہ ہے علیم و ناظر، ہر چیز پر ہے قادر

بے مثل ذات اس کی، بے مثل کام اس کے
اعلیٰ صفات اس کے، پاکیزہ نام اس کے

ذات و صفات میں وہ ہر ایک سے جدا ہے
سب کا وہی ہے خالق سب کا وہی خدا ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

ندوہ-زندہ تمنا

محمد عمیر الصدیق ندوی

ہمارے یہاں بزرگوں کی کئی باتیں ہیں جن کو نئی نسل کے سامنے تبرک کے طور پر پیش کیے جانے کی روایت سی بن گئی ہے ایسی ہی ایک بات ہے کہ:

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

یعنی کبھی کبھی کسی پرانی داستان کو پھر سے پڑھ لینا چاہیے، داستانوں میں لطف ولذت نہ بھی ہوتو عبرت ونصیحت سے بہرحال وہ خالی نہیں ہوتیں۔قریب نصف صدی پہلے تک ہمارے معاشرے کی ایک پہچان یہ بھی تھی کہ جگہ جگہ کچھ لوگ تاریخی کتابیں اس طرح پڑھتے نظر آتے تھے کہ ان کے پاس سننے والوں کی ایک تعداد ہوتی جو داستان کی ہر کیفیت کی عملی تصویر بن جاتی، اب معاشرہ بہت سی پہچانوں کی طرح اس پہچان سے بھی محروم ہوگیا؛ لیکن حقیقت یہی ہے کہ اب وقت کا تقاضا پہلے سے کہیں زیادہ ہے کہ بہت پہلے نہیں تو کم ازکم اپنے ملک کی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی تاریخ کو زیادہ سنجیدگی سے پڑھا جائے، بازخوانی کا مقصد اگر عبرت ونصیحت کو حاصل کرنا ہے تو آج سے زیادہ اور کس وقت کا انتظار کیا جائے؟ ۱۹ویں صدی کے نصف اخیر ۲۰ویں صدی کے نصف اول نے ایک داستان قدیم وجدید کے نام سے چھیڑ رکھی تھی، ماضی کے اندھیروں میں ڈوبتے اور حال کی بھول بھلیوں میں مستقبل کی راہ ٹھیک سے نجات تلاش کرنے کی یہ داستان اہل ہوش وخرد کی زبان پر طرح طرح سے آئی، مثلاً یہی کہ وہ دور ایک ایسے انسان کا منتظر تھا جس کی نگاہ قدیم وجدید کی مصنوعی اور سطحی تقسیم سے بالاتر ہو، اس کے نیک وبد اور خوب وناخوب کا معیار تاریخ اور زمانہ نہ ہو بلکہ تاریخ اور زمانہ خود اس کا پابند ہو جو یہ سمجھا سکے کہ اسلام اسی لیے بہتر اور برتر نہیں ہے کہ وہ ۱۴سو برس پہلے کا مذہب ہے بلکہ وہ بہتر اس لیے ہے کہ وہ خدا کا آخری دین اور انسانیت کی نجات کا واحد راستہ ہے۔ نئے علوم اور زندگی کے نئے ذرائع اور وسائل اس لیے قابل قدر نہیں کہ وہ دورِ جدید کے صنعتی اور ترقی یافتہ عہد میں ظاہر ہوتے بلکہ وہ تعریف اور قبولیت کے لائق اس لیے ہیں کہ وہ انسانوں کے لیے مفید ہیں، اس لیے ان کو استعمال کیا جاسکتا ہے، ہمارے صاحب ہوش وخرد نے اس عہد کو انقلابی عہد سے تعبیر کیا اور لکھا کہ انتظار اور ضرورت ایسے شخص کی تھی جس کا رویہ ہر جدید سے نفرت اور ہر قدیم سے محبت والا نہ ہو، وہ شخص ایسا ہو جو ایک طرف زمانہ کا نبض شناس، ملک کے سماجی اور عقلی تغیرات اور نئی نسل کی نفسیات سے بخوبی واقف ہو اور دوسری طرف وہ ایمان و یقین کا حامل وداعی، معرفت الٰہی کا محرم اسرار اور رشد وہدایت اور اصلاح وتربیت کا قافلہ سالار ہو، عقائد اور اصول کے معاملے میں فولاد کی مانند سخت ہو، اجتہادی مسائل اور فروعی اختلافات کے شعبے ریشم کی طرح نرم ہو، یعنی ایمان یقین، علم جدید، روحانی قوت اور جدید صلاحیت، اخلاص ومحبت، علم وثقافت، صالح قدیم ورثہ، اور نئے علوم کو باہم جمع کر سکے۔ دیکھا جائے تو قریب ڈیڑھ سو سال پہلے ایسے انسان کی تلاش دراصل ملت خصوصاً ہندوستانی قوم مسلم کی نئی تلاش تھی، داستان سنانے والے نے غور وتدبر کے لہجوں کے درمیان ایسے انسان کی شناخت اور اس کی فکر اور اس کے جذبوں کو آگے بڑھانے والی جماعت کی نشاندہی بھی کردی کہ فرد واحد کی شکل میں مولانا محمد علی مونگیریؒ اور جماعت کی شکل میں تحریک ندوۃ العلماء مستقبل کی راہوں پر منزل مقصود کے حصول میں زیادہ کامیاب ہوسکتی ہے، اب یہ کسی صاحب دل اور صدق

مقال مؤرخ کا کام ہے کہ وہ مولانا مونگیریؒ، مولانا شبلیؒ، مولانا عبدالحیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید محمد رابع ندویؒ کو داستان گو کی کسوٹی پر رکھے۔ مثال کے طور پر مولانا سید سلیمان ندویؒ کو دیکھئے کہ قریب سو سال پہلے جب ہندوستانی قومیں فکر وعمل کی نئی توانائیوں کے حصول میں مصروف تھیں، ایک انقلاب کی دستک تھی اور ہوش مند ذہن اس کے استقبال کی تیاریوں میں تھے مگر جس قوم کو فراست کا نور بخشا گیا تھا اس کا جو حال تھا، اس کو ندوہ کی پہلی پود کی پہلی بہار یعنی مولانا سید سلیمان ندویؒ نے کیسے دیکھا اور کس طرح بیان کیا؟ انہی کے الفاظ میں: ''آج کل کے اسلامی اخبارات میں باہمی ذاتی مناقشوں کی ایسی بدترین تصویر نظر آرہی ہے کہ ان کے صفحات کو غض بصر کے بغیر پڑھنا مشکل ہے، ایک دوسرے پر الزام تراشی اور حریف کو ہر طرح بدنام کرنے کے لیے مشتبہ الفاظ، ذومعنین جملے اور تلمیحات بے محابا استعمال کی جارہی ہیں''۔ سید صاحب کو غم تھا کہ جب ہمارے معلمین اخلاق کے یہ اخلاق ہیں تو عام مسلمانوں کا کیا شکوہ؟!

''اخلاق کا اثر سیاست پر پڑنا ناگزیر ہے لیکن مسلمانوں کا سیاسی انتشار اب کچھ چھپا راز نہیں، یہ جماعت وہ جماعت، یہ لیگ، وہ کانفرنس اور ہر ایک کو تنہا نمائندگی اور قوم کی زبان ناطق بننے کا دعویٰ، ایسے عالم میں یہ سب نہ تو ملک کے کام کرسکیں گے اور نہ ہی حکومت ہی کی خوشنودی کی وہ دولت پاسکیں گے جس کے لیے بہت سے افراد بے تاب ہیں''۔ نوجوان ندوہ زادہ نے اسی کے ساتھ کیسی تجربوں والی بات کہی کہ سلطنتیں دوستی کا پیمان اس طاقت اور قوت سے باندھتی ہیں جو ان کو نفع یا نقصان پہنچا سکے مختلف الآراء، کمزوردل، اور ناتواں جماعت کس بات پر کسی کو اپنے ساتھ عہد وپیمان باندھنے پر مجبور کرسکتی ہے۔

یہاں ماضی کا موازنہ مقصود نہیں، صرف مشاہدہ اور تجزیہ کی ایک سچائی بیان کرکے تحدیث نعمت کے طور پر بغیر کسی ادعائیت کہ کہنا یہ ہے کہ اس فکر ونظر کا سرچشمہ ندوۃ العلماء اور اس کا دارالعلوم ہی تو تھا، اصل مقصود تھا فکر ونظر اور دل ودماغ کی فرسودگی کو دور کرنا اور فراست ایمانی سے مدد لینا اور اس کام کو جیسا کہ شروع میں مولانا محمد الحسنی مرحوم کی تحریر کے سہارے واضح کیا گیا کہ مولانا مونگیریؒ کی شخصیت میں تلاش کیا گیا، آج جب کہ حالات سفید فام حکمرانوں کی نحوست سے زیادہ متعفن اور غلاظت کے ڈھیر میں بدل چکے ہیں، دل چاہتا ہے کہ ملت اور ملک دونوں کو ندوہ کا وہ مبنی بر اخلاص پیغام پھر زیادہ دردمندی سے سنایا جائے جو سننے کے لائق تو ہے ہی، تاثیر کی اپنی ضمانت کا دعویٰ بھی کرسکتا ہے، یہاں ہم کو اپنے مولانا یعنی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی پھر یاد آگئے۔ ۲۰۱۳ء میں انہوں نے مجلس انتظامیہ میں اپنے خطبہ میں توجہ دلائی تھی کہ: ''آج کے زمانہ اور جب تحریک ندوۃ العلماء شروع ہوئی تھی، بڑا علمی وثقافتی فرق پیدا ہوچکا ہے، ہمارے اس دور میں اسلام اور مسلمانوں پر چہار طرف سے حملے ہورہے ہیں، ان حملوں میں مسلمان ملکوں پر جنگ تھوپنا، مسلم ملکوں کو برباد کرنا، علماء اور دانشوروں کو نشانہ بنانا، علمی اداروں کو کمزور اور بے اثر کرنا، ان کے متبادل کے طور پر اس میں استعماری مقاصد کے مطابق نظام تعلیم وتربیت نافذ کرنا، ذرائع ابلاغ کے وسیلوں سے عامۃ الناس کی ایسی ذہن سازی کرنا اور ایسی تہذیب کو عام کرنا جو خدا بیزار کے ساتھ انسانی صفات سے مبرا ہو''۔

ہمارے مولاناؒ نے یہ سب گنا کر مسلم علماء اور دانشور طبقہ کو بتایا کہ یہ حالات چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کی قوت صرف اسی نظام عمل کو ملے گی جو قدیم وجدید کا جامع ہو۔ اور اسی موقع پر مولانا کے قلم وزبان سے یہ جملہ نکلا کہ: ''ندوہ کے کام کی خصوصیت اس بات میں ہے کہ وہ مسلمان کو ایسا جامع انسان بنانا چاہتا ہے کہ وہ مثالی امت کے لحاظ سے قائدانہ کردار انجام دے سکے''۔ ہمارے مولاناؒ کی تمنا تھی کہ ندوہ کی اس فکر کو زیادہ وسیع دائرہ میں عام کیا جائے، تعلیم کی ثنویت کو وحدانی بنانے کی کوشش کی جائے، ہم سب کی تمنا یہی ہونی چاہیے کہ مولاناؒ کی تمنا پوری کرنے کی توفیق آج کی نسل کی قسمت میں آجائے۔　☆☆☆

ایمانِ کامل

آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے کی ضمانت

خطبۂ صدارت علاقائی دینی تعلیمی کانفرنس الٰہ آباد، منعقدہ ۱۷؍فروری ۱۹۸۵ء

حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ

"أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ، إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ إِلٰهًا وَّاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ" [سورۃ البقرہ:۱۳۳] (بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اورآپ کے باپ دادا ابراہیم اوراسماعیل اوراسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جومعبود یکتا ہے، اورہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

جہاں تک مسلمان کاتعلق ہے اس کے لیے دینی تعلیم اوردین کی بنیادی واقفیت کی وہی حیثیت ہے، جوایک انسان کی زندگی کے لیے ہوا اورپانی کی ہے، ایک مسلمان کومسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لیے مسلمان کہلانے کے لیے اورپھر آخرت میں خدا اوراس کے رسول کومنھ دکھانے اورنجات حاصل کرنے کے لیے بنیادی دینی عقائد کے جاننے کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ایک انسان کو زندہ رہنے کے لیے ہوا اورپانی کی ضرورت ہے اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں، اس لیے کہ مسلمان کسی نسلی تسلسل کا نام نہیں ہے، کسی قومیت کا نام نہیں ہے، کسی تہذیب کا نام نہیں ہے، (تہذیب اس میں شامل ہے، تہذیب اس کی تقاضوں اوراس کے معاون چیزوں میں سے ہے) لیکن اسلام محض ایک تہذیب، خالی ایک کلچرنہیں کسی ذات برادری کا نام نہیں، کسی برہمن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوجائے تو وہ بہرحال برہمن ہے چاہے مانے چاہے نہ مانے، اس کے لیے اس کوکچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں میں بھی بہت سی پشتیں اورخاندان ہیں جن پرمسلم معاشرہ میں فخر کیا جاتا ہے اورلوگ ان کی وجہ سے عزت کرتے ہیں۔

لیکن اصل نسبت صحیح عقیدہ، اللہ سے صحیح رشتہ، غلامی وعبودیت ہے اوراس کا صحیح طریقہ تعلیم ہے، یہی وہ نسبت ہے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت (حالت احتضار) میں اطمینان حاصل کرلینا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے سب فرزندوں، پوتوں، نواسوں کوجمع کرکے (اوروہ ماشاء اللہ کثیرالاولاد تھے) دریافت فرمایا کہ: "مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي" میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ یہ بات انہوں نے کس سے کہی تھی ان سے کہی تھی، جو نبی زادے تھے نبی کے پوتے تھے، نبی کے پرپوتے تھے، اسی موقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خودفرمایا ہے، کسی نے پوچھا کہ: "من ھو الکریم" کہ کریم کون ہے، معززآدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم" اگرخاندانی عزت کے بارے میں پوچھتے ہوتویوسف علیہ السلام سے بڑھ کر معززآدمی ہوگا؟ کہ نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے، نبی کے پرپوتے تھے، پیغمبروں کے اس خاندان کا سرپرست اپنے بچوں کوجمع کرتا ہے، بیٹوں، پوتوں کوجمع کرتا ہے، ماشاء اللہ کثیرالاولاد تھے، قرآن مجید تعداد کا موضوع نہیں ہے، تورات، انجیل، بائبل میں گنتیوں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اوربہت بڑے حصہ میں گنتیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن قرآن مجید گنتیوں کوزیادہ اہمیت نہیں دیتا، بہرحال افراد خاندان بڑی تعداد میں تھے، اللہ نے ان کوعمرطویل بھی عطافرمائی تھی، برکت بھی عطافرمائی تھی، ان کو بنی اسرائیل کی پوری ملت کا مورث اعلیٰ ہونا تھا، ظاہر ہے کہ ان کے سامنے کتنے پوتے نواسے اوران کی اولادہوگی، آپ نے سب کوجمع کیا، ان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ یہ کس کی اولاد ہیں، ان کی رگوں میں کن کا خون ہے، اس خون کے کیا خصائص ہیں، اور اس خاندان کی کیا تاریخ ہے، اس کا تاریخ عالم میں کیا کرداررہا ہے، یہ ان کے بیٹے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا" [سورہ النحل:۱۲۰] (ابراہیم بذات خود ایک امت تھے) اورفرمایا "مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ" [سورہ الحج:۷۸] وہ خدا کا پہلا گھربنانے والا ابراہیم، وہ توحید کا پہلا اعلان کرنے والا ابراہیم، وہ جس نے توحید کے عقیدہ کے لیے ہجرت کی، جس نے خطرات مول لیے، جس نے اپنے باپ سے پہلی لڑائی مول لی، اس کا باپ صرف یہ نہیں کہ وہاں کا ایک معززآدمی تھا، وہاں کے سب سے بڑے معبد (عبادت گاہ) کا سب سے بڑا آدمی تھا، ان کی جوپہلی گفتگو

ہوئی، اور پہلے جو مسلک کا اظہار واعلان ہوا، وہ باپ کے سامنے ہوا، پھر اپنے زمانے کے غالباً سب سے بڑی، سب سے بڑی نہیں تو ایک بڑی متمدن سلطنت کے فرمانروا سے ان کا مقابلہ ہوا، ابراہیمؑ کی اولاد کو ابراہیمؑ ہی کا جانشین (حضرت یعقوب علیہما السلام) اپنے بیٹوں، پوتوں کو جمع کر کے کہتا ہے:

''پیارے بیٹو، پوتو، نواسو! اب تم سے رخصت ہونے والا ہوں، لیکن میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ تم خدائے واحد ہی کی عبادت کروگے؟ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے، یا لوگوں کو جیسا کرتے دیکھوگے تم بھی کرنے لگوگے، اور انہی کی بولیاں بولنے لگوگے، تم ایک نہیں تین تین پیغمبروں کی اولاد ہو، تمہاری رگوں میں نوع انسانی کے موحد اعظم (سیدنا ابراہیمؑ) کا خون ہے، جس نے توحید خالص کی اس وقت صدا لگائی، جب دنیا میں وہ بالکل نامانوس ہو چکی تھی، اس نے اللہ کے نام پر اس وقت گھر تعمیر کیا جب دنیا میں اس کے نام کا کوئی گھر نہیں رہ گیا تھا، اس نے اس کے لیے اپنے باپ اور گھر والوں سے ناطہ توڑا، آگ میں ڈال دیا جانا گوارہ کیا، اس کے لیے گھر بار اور محبوب وعزیز وطن چھوڑا اور ملک ملک کے سفر کیے لیکن میں اتنا کافی نہیں سمجھتا (میں نے بڑے بڑے خدا پرستوں اور بت شکنوں کے خاندان کا حشر دیکھا ہے کہ وہ کس قدر جلد صحیح راستہ چھوڑ کر بھٹک گئے''۔

عزیزو! اس وقت کہنے کی پچاس باتیں ہو سکتی ہیں، مل کر رہنا، اتحاد کے ساتھ رہنا، اپنی محنت سے حق حلال کی کمائی کھانا، شریفانہ زندگی گزارنا، کسی کو تکلیف نہ پہونچانا، سب کے کام آنا، پچاس باتیں کہی جا سکتی ہیں، لیکن میں صرف ایک بات پوچھتا ہوں ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ''؟ یہ بتادو کہ میرے بعد تم بندگی کس کی کروگے؟

اللہ اکبر! یہ وہ وقت ہے کہ آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے، ہمارے سامنے اگر صرف وصیتوں کا لٹریچر جمع کیا جائے یعنی کوئی ریسرچ اسکالر، دین کا کوئی طالب علم اس پر کام کرے کہ لوگوں نے اپنی اپنی اولاد اور پسماندگان کو کیا وصیتیں کی ہیں، دنیا سے جاتے وقت اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کیا ہدایت کر کے گئے ہیں، تو ایک جلد نہیں، ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار ہو جائے گا، لیکن اللہ کے اس مومن بندے کو فکر صرف یہ ہے کہ کیا میری اولاد اس دولت کو اپنے سینے سے لگائے رکھے گی جس پر خدا کی ہر مدد، خدا کی ہر رحمت، خدا کے ہر بہتر فیصلے اور خدا کی نصرت، فردوامت کی نجات اور انسانیت کے مستقبل کا دارومدار ہے، وہ ایک ہی چیز ہے: ''ماتعبدون من بعدی'' تم یہ بتادو کہ میری آنکھ بند ہونے کے بعد بندگی کس کی کروگے؟

یہ ہے مسلمانوں کے ذہنوں کو ڈھالنے والا سانچہ، ایمان کی قیمت پہچاننے کا امتحان ومعیار، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر کر کے اس کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا کہ ہر نسل کا مسلمان بلکہ ہر نسل کا انسان پڑھے اور اس سے سبق لے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کر کے تاریخ نہیں سنائی ہے، قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے، تاریخ ہے لیکن وہ تاریخ کے لیے نہیں، یہاں پر ہمیں بتایا کہ اس طرح مسلمان کے ذہن کو کام کرنا چاہیے۔

اب مسئلہ اس وقت فرد کا نہیں ملت کا ہے، میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ ملت کیا اس ذہن سے کام کر رہی ہے کیا اپنی اولاد کے بارے میں اسے اس بات کا اثر ہے، جن کے دماغوں میں اس بات کی اہمیت بیٹھی ہوئی ہے؟ اپنے دل کو ٹٹولیں، اپنے دماغوں کا جائزہ لیں اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کے لیے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے، اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، تو میں کہوں گا کہ: ''ماتعبدون من بعدی'' لکھ دو، پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کے لیے اپنی آئندہ نسل کے لیے یہ اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ: ''ماتعبدون من بعدی'' میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر، معاشرہ کے پیمانہ پر، محلّہ کے پیمانے پر، قصبہ کے پیمانہ پر اور آخر میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیمانہ پر، اور ملت ہندیہ اسلامیہ کے پیمانہ پر، ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستے پر چلے گی، وہ کس گروہ وملت کی پیرو ہوگی کس کی پرستش کرے گی، کن عقائد کو مانے گی.......... یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، خداؤں اور دیوتاؤں کی، یہ اس وسیع کائنات میں اور اپنی محدود زندگی میں کس کے دست قدرت کو کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی۔

یہ سب سے بڑا اطمینان ہے، اس کے بغیر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا ہے، جب تک وہ کسی نہ کسی درجے میں یہ اطمینان نہ کرلے کہ میری نسل اسلام کے صحیح راستے پر رہے گی، صحیح عقیدہ قائم رہے گی، خواہ اس کو اس لیے کتنی قربانیاں دینی پڑیں، آج ہماری اصل کمزوری یہ ہے کہ ہم اس کے لیے معمولی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں، ہم اپنے بچوں کے لیے اس خطرہ کے تصور سے نہیں لرزتے کہ وہ صحیح دین وعقیدہ سے بے خبر اور آخرت میں نجات پانے اور خدا ورسول کے سامنے سرخرو ہونے سے محروم رہیں گے، لیکن اس سے خائف اور لرزہ براندام ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے کمپٹیشن میں کامیاب ہونے یا اپنا تعلیمی کیریئر بنانے میں ناکام ہوں گے، اگر بچہ نے اردو کو اپنی زبان قرار دیا، اس کو اپنی مادری زبان ڈکلیر کیا، تو اس کے نتیجہ میں اس کے کیریئر پر اثر پڑے گا، حالانکہ یہ بالکل موہوم خطرہ اور ''اندیشۂ دور دراز'' کی حیثیت رکھتا ہے، اب نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ مسلمان اپنے دین کی بقاء کے لیے ایک فی ہزار خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں، مسلمان گارجین اس کے لیے تیار نہیں ہیں کہ وہ اسکولوں میں یہ لکھادیں کہ ہمارے بچے کی زبان اردو ہے، اس کی مادری زبان اردو ہے، جب ملت کی اپنے دین کے ساتھ وابستگی کی قیمت ادا کرنے کی اتنی بھی اہمیت نہیں ہے کہ میرے بچہ کو کہیں دس برس میں اردو لینے کی قیمت ادا کرنی پڑے، حالانکہ اس کی سیکڑوں، ہزاروں مثالیں مل سکتی ہیں کہ اردو کے ذریعہ سے لوگوں نے پڑھا، اور اپنی ذہانت سے اپنی محنت سے اپنی صلاحیت سے بڑے بڑے امتحان میں کامیابی اور امتیاز حاصل کیا، بڑی سے بڑی اسامی اور بڑے سے بڑے عہدہ پر فائز ہوئے، اس کے لیے ہزاروں مثالیں مل جائیں گی، آپ بتائیے کہ اس ملت کی نگاہ میں اپنے ایمان کی کتنی قیمت ہے، اپنے دین کی کتنی قیمت ہے؟ اس کے متعلق، آپ دنیا کی کسی عدالت سے پوچھ لیجیے، مت پوچھئے علماء سے، آپ ماہرین نفسیات سے پوچھ لیجیے، آپ تقابل ادیان کے استادوں سے پوچھ لیجیے کہ جو ملت اتنا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہے، ایک فیصدی اس کا خطرہ ہے کہ بچہ ایک بڑے امتحان میں نہ آئے، امتیاز نہ حاصل کرسکے، کسی بڑے اسامی پر نہ جائے، اسی لیے میں نے اسکول میں جا کر یہ نہیں لکھوایا کہ بچہ کی مادری زبان اردو ہے، میں نے ہندی لکھوادی، اس ملت کے متعلق آپ غیر مسلموں سے پوچھئے، ''اقلیتی کمیشن کے ایک ہندو ذمہ دار نے یہ لکھا ہے کہ: ''ہندوستان ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں اقلیت اتنی محنت نہیں کرتی جتنی اکثریت کرتی ہے، حالانکہ اس کو اس سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے'' میں اس سے زیادہ آگے قدم بڑھا کر اپنی زبان میں کہتا ہوں، ایک دین کے طالب علم کی زبان میں کہتا ہوں کہ امت اپنے دین وایمان کے لیے اتنی بھی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں جتنی ملک کو آزاد کرانے کے لیے، جتنی اپنی تہذیب کو باقی رکھنے کے لیے، جتنی ہندی زبان کو رائج کرنے کے لیے ہندو اکثریت نے دی ہے، امریکہ کے یہودیوں کا ذکر تو فضول ہے جنہوں نے اپنی شخصیت وامتیاز ثابت کردیا اور اپنے ملی وتہذیبی مطالبات منوالیے، خود ہندوستان میں ملک کو آزاد کرانے کے لیے اور اپنے بہت سے مطالبات کو منوانے کے لیے یہاں کے مختلف فرقوں نے جو قیمت ادا کی ہے، اس کا دسواں حصہ بھی یہ ملت اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے ادا کرنے کو تیار نہیں، اپنے بارے میں آپ خود فیصلہ کیجیے، یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں، جب ملت کی ذہنی کیفیت جب ملت کی شکست خوردگی، جب ملت کی اپنے دین کی قیمت سے ناواقفیت اس درجہ کو پہونچ جائے کہ وہ موہوم سے موہوم خطرہ بھی اپنے بچہ کے لیے مول لینے کے لیے تیار نہ ہو، دنیاوی ترقیات اور معاشی مسئلہ کے لیے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال دے، بلکہ دین وایمان کو زد پر لگادے، تو اس کا کیا مقام رہ جاتا ہے؟

اس وقت دنیا میں وہ طریقے نہیں ہیں جو نسل کشی کے پرانے طریقے تھے، اور جس کے لیے اس زمانہ کے مطلق العنان فراں روا بدنام ہیں، میں آپ ہی کے شہر الہ آباد کے شاعر نہیں بلکہ اپنے دور کے سب سے بڑے شاعر اور لسان العصر کے شعر کا حوالہ دیتا ہوں، وہ انگریزوں کا دور تھا، انہوں نے اس دور کو سامنے رکھ کر کہا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس شعر میں انہوں نے ایک پوری کتاب کا مضمون بیان کردیا ہے۔ میں ان کا دوسرا شعر پڑھتا ہوں:

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

آج سے ساٹھ ستر برس پہلے انہوں نے یہ شعر کہا ہوگا، لیکن آج بھی یہی حقیقت ہے، اور حقیقتوں کی عمر نہیں ہوتی، برسوں کے حساب

سے ان کی عمر نہیں ناپی جاتی، ابدی صداقتیں سیکڑوں، ہزاروں برس تک اور سیاسی وثقافتی اور تہذیبی تبدیلیوں کے ساتھ باقی رہتی ہیں، اس تعلیمی انقلاب اور معنوی نسل کشی سے ملت اپنے ماضی ہی سے نہیں، وہ اپنے دین سے، اپنے دینی شخصیت سے، اپنے دینی حقائق وعقائد سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ ہوگی، بلکہ بے زار ہوگی، اپنے اسلاف سے نہ صرف ناواقف ہوگی، بلکہ ان کے نام پر شرماتی ہوگی، اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہوگی، ہمارے چھوٹے سے اسکول کے بچے بتاتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے ہم سے کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب ظالم تھا، اور جب تک کہ ایک من جینو جلا نہیں دیتا تھا، اس وقت تک ناشتہ ہی نہیں کرتا تھا، اسلام تلوار سے پھیلایا گیا ہے، اس دنیا کا کارخانہ دیوی، دیوتا چلاتے ہیں، یہ آج ہمارے اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔

سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ خالص مسلم اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو مسلمان رہنے کے لیے اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کے لیے سخت جانفشانی اور سخت قربانی کی ضرورت ہے، وہاں بھی بغیر جانفشانی اور قربانی کے مسلمان اپنی آئندہ نسل کے دین وایمان کا تحفظ نہیں کرسکتے، وہاں بھی "ماتعبدون من بعدی" کا سبق ہمارے سامنے ہے، چہ جائیکہ ایک ایسے ملک میں جہاں ہم اقلیت میں ہیں، اور اس اقلیت کے ساتھ ارادی اور غیرارادی، شعوری یا غیرشعوری طریقے پر ایک ایسی تاریخ اور ایک ایسا دور وابستہ ہے، کہ جائز یا ناجائز، حق بجانب ہو یا غیرحق بجانب، اس کے متعلق نہ صرف یہ کہ غلط فہمیاں ہیں بلکہ بدگمانیاں بھی ہیں، اور شکایتیں بھی، یعنی ہماری ملت کی یہاں صحیح پوزیشن یہ ہے کہ ایک تو وہ اقلیت میں ہے، پھر اس کی ایک بڑی آزمائش یہ ہے کہ اس نے آٹھ سو برس تک اس ملک میں حکومت کی ہے، اس شکل سے چھٹکارا نہیں، اب اس سے خلاصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں، تاریخ جب ایک مرتبہ بن جاتی ہے تو اس کو مٹایا نہیں جاسکتا، دوسری بات یہ ہے کہ انگریزوں نے (اپنے انتظامی وسیاسی مصالح سے) اپنے دور میں اقلیت واکثریت کے مسائل پیدا کیے، اس میں خلیج پیدا کی، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اس ملک کے پڑوس میں ایک اسلامی مملکت بنی، اور وہ قائم ہے، ہم کو اور آپ کو ان سب حقائق کو سامنے رکھنا پڑے گا، یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن پر پردہ ڈالنے سے کام نہیں چلے گا، آپ ہزار کہیں کہ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ سائے اور ذہنی اثرات ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے ہم وطنوں کو اپنے دین کی حقیقت سے اور صحیح تاریخ سے باخبر نہیں کیا، ہم نے انسانیت کی جو خدمت انجام دی، اس ملک کو چار چاند لگائے، عالمگیر انسانی تمدن پر اس ملت کے جو احسانات ہیں اور اس کے جو اثرات پڑے ہیں ان سے ہم نے ابھی تک ان کو آگاہ نہیں کیا ہے، انہی میں سے کسی کو خدا نے توفیق دی تو اس نے کچھ لکھ دیا۔

یہ ملک جمہوری ہے اس نے جمہوری سیکولرزم کو پسند کیا ہے، اس لیے یہاں پر تعداد ایک اہمیت رکھتی ہے، ہماری تاریخ ایک بیرونی قوم کی تاریخ نہیں ہے، ایک ایسی قوم کی تاریخ ہے جو یہاں ایک ہزار برس سے رہ رہی ہے، اس طویل سفر میں نشیب وفراز آئے ہیں، زندہ قوموں کی تاریخ میں نشیب وفراز آتے ہی ہیں، لیکن ان کو رنگ آمیزی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے، اور اب ان کو خاص طور سے زندہ کیا جارہا ہے، زندہ اور حکومت کرنے والی قوموں کی تاریخ میں ساری چیزیں خوشگوار اور ساری چیزیں بالکل ہموار نہیں ہوتیں۔

اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ آپ کے لیے اپنی دینی تعلیم کا تحفظ، اس کے انتظامات اور اپنی آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنے کی جدوجہد کتنی ضروری ہے؟ اس کو زبان قال سے بھی اور زبان حال سے بھی اس حقیقت کا اطمینان کرلینا ضروری ہے کہ ہمارے بچے خدائے واحد کے پرستار ہوں گے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا اور آخری پیغمبر سمجھتے ہوں گے، یہ قرآن ہی کو اپنا دستورِ حیات سمجھیں گے، کتاب وسنت نے مسلمانوں کو عائلی قانون کا جو نقشہ دیا ہے، نکاح وطلاق، ترکہ و میراث، موت وحیات کے لیے جو ہدایت دی ہیں ان کو وہ اپنے دین کا جزء سمجھیں گے، نمازوں کے پابند ہوں گے، فرائض کے پابند ہوں گے، اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہوں گے، اور اللہ رسول کے نام پر اپنی عزت اور جان ومال کی قربانی کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

حضرات! یہی دینی تعلیمی کونسل اور اس کی اس دینی تعلیمی تحریک کا حاصل ہے، آپ اپنی اولاد سے زبان حال سے پوچھیں یا زبان قال سے پوچھیں کہ کل وہ کس دین وملت کے پیرو ہوں گے؟ اور آپ کے پاس جو وسائل اور امکانات ہیں ان سب کو اس مقصد کے حصول کے لیے استعمال کریں، کہ یہ خدائے واحد کے پرستار ہوں، اور مختصر لفظوں میں صحیح مسلمان ہوں، موحّد، اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر ایمان رکھتے ہوں، اس پر یقین رکھتے ہوں کہ: "اِنَّ الدِّیْنَ عِندَاللّٰہِ الاسلَام" [سورہ آل عمران:۱۹] اللہ کے

یہاں جو دین مقبول ہے وہ اسلام ہے۔

ہم اپنی پوری دینی خصوصیات کے ساتھ اور پوری اسلامی شخصیت کے ساتھ آزادی اورعزت کے ساتھ اس ملک میں رہیں گے، راتب اور جان کے تحفظ کی ضمانت پر محض جانوروں کی زندگی نہیں گزاریں گے،عزت وآبرو کے ساتھ اس ملک کے نظم ونسق میں شریک ہوتے ہوئے اوراس ملک میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس ملک کی تعمیر وترقی میں مساویانہ حصہ لیتے ہوئے اوراس ملک کی حفاظت کرنے کے ساتھ، اوراس ملک کا نام اونچا کرنے کے ساتھ اوراس ملک کی دنیا کے دوسرے ملکوں میں عزت بڑھانے کے ساتھ ہم اس ملک میں اپنے عقائد وخصوصیات کے ساتھ رہیں گے، خدانے اور ہمارے دین نے جو تعلیم دی ہے، اور ہمارے پاس جو تاریخ ہے اس سے ہم اس ملک کو اخلاقی گراوٹ سے کرپشن سے اوراس اخلاقی دیوالیہ پن سے بچاسکتے ہیں، جواس ملک کے لیے اس وقت سب سے بڑا خطرہ ہے، ہم اپنی نسلوں کے بھی ایمان واسلام کی حفاظت کا بندوبست کریں گے، ان کی دینی تعلیم کے لیے اسلامی مکاتب قائم کریں گے، ہماری آئندہ نسل کی زبان اردو ہوگی، اس لیے کہ یہ اس کے لیے دین سے واقفیت کا سب سے آسان ذریعہ ہے اور یہ اس کی تہذیب کا نشان ہے، اس کا کلچر ہے اس کے لیے اول تو قومی فیصلہ کی ضرورت ہے، اس کے بعد تھوڑی سی قربانی کی ضرورت ہے، ہمیں امید نہیں یقین ہے کہ ایک خوددار، صاحب ضمیر وعقیدہ اور صاحب دعوت اور ایک شاندار تاریخ رکھنے والی زندہ ملت کی حیثیت سے آپ اس کے لیے تیار ہیں؟؟!!!

☆☆☆☆☆

زوجین کے انتخاب میں معیارِ مطلوب

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

”هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ“[سورۃ البقرۃ:۱۸۷]

یہ ایک ایسی اچھوتی، البیلی، خوب صورت اور معنی خیز تعبیر ہے کہ ازدواجی زندگی کے تعلق کو اس سے بہتر الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

لباس میں یوں تو مختلف چیزیں دیکھی جاتی ہیں، رنگ، ڈیزائن، بناوٹ، لیکن سب سے موسموں کے لحاظ سے انسانی جسم کے ساتھ اس کی موافقت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، گرمی کا موسم ہو تو سوتی، اس میں بھی ململ وغیرہ کا کپڑا پہنایا جاتا ہے، حالاں کہ پالسٹر میں اس سے زیادہ خوب صورت کپڑے مل سکتے ہیں، جاڑے کے موسم میں اونی ملبوسات کا استعمال ہوتا ہے، حالاں کہ بعض اوقات ان کی رنگت کچھ بہت اچھی نہیں ہوتی، اسی طرح ٹیری کارٹ اور پالسٹر کا بھی استعمال ہوتا ہے، برسات میں برساتی کی ضرورت پڑتی ہے، جو دیکھنے میں خوب صورتی سے خالی ہوتی ہے، اب تو ایسے کپڑے بھی چل پڑے ہیں، جنہیں برساتی کے بغیر بارش میں پہنا جاتا ہے، کوئی خطرہ کا موقع ہو تو آج کل شاک پروف (آگ کا محافظ) لباس استعمال کیا جاتا ہے، ان ملبوسات میں بنیادی طور پر جو چیز پیش نظر ہوتی ہے، وہ یہی کہ یہ انسان کو موسمی نشیب وفراز سے بچانے والی اوراس کے جسم سے مناسبت رکھنے والی پوشاک ہو۔

لباس زندگی یعنی شوہر وبیوی کے انتخاب میں بھی یہی معیار مطلوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عام طور پر نکاح چار اسباب کے تحت کیا جاتا ہے، دولت وثروت کو دیکھ کر، خاندانی وجاہت سے متاثر ہوکر، حسن وجمال پر فریفتہ ہوکر اور دین داری اور اخلاق کو معیار بنا کر، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین دار لڑکی کا انتخاب کر کے کامیابی حاصل کرو، ”فاظفر بذات الدين“۔[بخاری، حدیث:۵۰۹۰]

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ اگر تم نے حسن وجمال کو دیکھ کر شادی کیا تو ممکن ہے کہ ان کا حسن انھیں ہلاک کردے اور اگر دولت کی وجہ سے نکاح کیا تو ممکن ہے کہ ان کی دولت انہیں مغرور کردے، اس لیے دین کی بنیاد پر شادی کرو، کہ ایک کالی، کلوٹی دین دار باندی زیادہ بہتر ہے۔[ابن ماجہ] بعض روایتوں میں یہ مضمون آیا ہے کہ مال آنی جانی چیز ہے اور حسن ڈھل جانے والی شے ہے، اس لیے ان پر فریفتہ نہ ہو، ایک روایت میں ارشاد ہے کہ دنیا کا سب سے بہترین سامان نیک عورت ہے: ”خير متاع الدنيا المرأة الصالحة“۔[مسلم]

دین دار اور شریف عورت کی مثال موزوں اور موسم کے نشیب وفراز میں کام آنے والے لباس کی سی ہے، کیوں کہ تمام نیکیوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور تمام برائیوں کی اساس خدا سے بے خوفی ہے، جس شخص کے دل میں دین راسخ نہ ہو اور جس کا سینہ خدا کے خوف سے لبریز نہ ہو، اس کا معاملہ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ بھی بہتر نہیں ہوسکتا، اس لیے ایک دیندار شوہر اور دین دار بیوی ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرسکتے ہیں، بے دین شخص سے اس کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

☆☆☆

ارشاد وتذکیر

ایک خطرناک سماجی بیماری

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

انسانی معاشرہ کے لیے جہاں اور بہت سی باتیں مضر ہیں، وہیں بدگمانی یا سوءظن کے نتائج بھی بہت سنگین اور خطرناک ہیں، یہ معاشرہ کا پیچیدہ مرض ہے جس کی دوا کسی طبیب کے پاس نہیں، جس ماحول میں یہ بیماری پھیل جائے وہ انتہائی بدنصیب اور زندگی کے لطف ومسرت سے محروم ماحول ہے، یہی وہ گھن ہے جو رفتہ رفتہ سوسائٹی کی بنیاد کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتا ہے اور ہوا کا ایک خفیف جھونکا بھی اس کے وجود کو ختم کردینے کے لیے کافی ہوتا ہے، اجتماعی زندگی کا شیرازہ منتشر کرنے میں بدگمانی کا کردار ایک مسلمہ حقیقت ہے، اسی کی بدولت کتنے ملے ہوئے دل متفرق اور کتنے متحد اجتماعی معاملات، انتشار اور شکست وریخت کے انجام سے دوچار ہوکر رہے۔

اگر ہم اپنی اجتماعی زندگی کا تجزیہ کریں تو بدگمانی کی کارفرمائیاں ہم کو قدم قدم پر نظر آئیں گی، دو بھائیوں کا اختلاف ہو یا دو جماعتوں کا، ہر اختلاف کی تہ میں بدگمانی کا کردار سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دے گا، شوہر کو بیوی سے یا بیوی کو شوہر سے بدگمانی کا انجام قتل یا کم از کم جدائی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، بعض مثالیں تو ایسی ہیں کہ شوہر کو اپنی بیوی سے بدگمانی ہوگئی جو محض غلط فہمی پر مبنی تھی، مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ بدگمانی اس کے دل میں اس قدر راسخ ہوگئی کہ شوہر نے اس اضطراب اور دردسری سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی کو جس پر کسی زمانے میں سب سے زیادہ اس کو اعتماد تھا، قتل کردیا، اور نہ صرف یہ کہ بیوی کو قتل کرکے اس کو اطمینان ہوا، بلکہ یکے بعد دیگرے اس نے اپنے ۸؍بچوں کو قتل کرکے اس دردسری سے نجات حاصل کی، بعد میں معلوم ہوا کہ جس بنا پر اس نے اتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا وہ محض غلط فہمی تھی، حقیقت سے اس کا دور کا بھی علاقہ نہیں تھا۔

تاریخ کے اوراق الٹیے تو آپ کو سیکڑوں ایسی مثالیں ملیں گی جو غلط فہمی اور بدگمانی کے باعث بڑی بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ بنیں، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دو قریبی اور بے حد تعلق رکھنے والے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے، جس کا سبب محض کوئی بدگمانی تھی، یہ دن رات دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل تعلق اور ایک خاندان کے افراد بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہوکر ایک دوسرے کے مخالف ہوجاتے ہیں۔ ابتداءً یہ مخالفت اندر چھپی ہوتی ہے، لیکن نتیجتاً وہ ایک بھیانک شکل اختیار کرلیتی ہے، کبھی قتل وخونریزی کی شکل میں، اور کبھی مقدمہ بازی یا ایک دوسرے کو ذلیل کرکے انتقام لینے کی صورت میں، بہرحال بدگمانی اپنا کام کسی نہ کسی طرح پورا کرکے رہتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو، اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، جھوٹ تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے، لیکن سب سے زیادہ جھوٹی بات بلاشبہ گناہ کبیرہ سے خارج نہیں ہوسکتی، گویا بدگمانی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے تاکیدی کلمات ارشاد فرمائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے، آپ کوئی بات بغیر حکم الٰہی کے نہیں بیان فرماتے تھے۔ لہٰذا بدگمانی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس میں بہت سی خرابیاں مضمر ہیں، اور اس کے نتائج بیحد خطرناک اور سنگین ہوتے ہیں، معاشرہ میں بدگمانی کا اثر ایک بہت بڑی تخریب کے مرادف ہے جس کا نتیجہ برابر ہماری نگاہوں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" [سورہ حجرات: ۱۲] (اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں)۔

اس آیت میں مفسرین نے ظن سے مراد سوءظن بتایا ہے، بدگمانی سے بچنے کی تاکید پر نظر ڈالیں اور اس کی شناعت کو مزید مؤکد کرنے اور اس سے نفرت دلانے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا کہ بہت سے گمان ایسے ہوتے ہیں جو گناہ کا باعث ہیں۔

آج اسلامی معاشرہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید ہی کوئی ایسی جگہ مل سکے گی جہاں یہ مرض نہ موجود ہو، اور بمشکل تمام کچھ ایسے افراد ہم کو مل سکیں گے جو بدگمانی کو اپنے دل میں جگہ نہ دیتے ہوں، ورنہ عام طور سے ہمارا معاشرہ اس کی زد میں ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۷؍ پر.........................

راہِ عمل

آخری قسط

پا جا سراغِ زندگی ......

۱۵؍نومبر ۲۰۲۳ء مطابق ۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ بروز بدھ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ کا طلباء دارالعلوم ندوہ سے ایک تذکیری وتربیتی وقیع خطاب

ترتیب وپیشکش: محمد ارمغان بدایونی ندوی

اپنا مقصد متعین کیجیے

آپ دیکھئے کہ جو عصری تعلیم حاصل کرنے والے اور بڑے بڑے امتحانات دینے والے ہیں' ان کا حال کیا ہے؟ وہ لوگ بعض مرتبہ سترہ سترہ گھنٹے پڑھتے ہیں۔ میں نے I.A.S. وغیرہ کا امتحان دینے والے بعض دین دار طلبہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم سولہ سترہ گھنٹے پڑھتے ہیں اور باقی جو چار پانچ گھنٹے ہوتے ہیں، اسی میں ہمیں سونا، کھانا اور نماز پڑھنا رہتا ہے۔ ظاہر ہے ان کی یہ غیر معمولی محنت اس لیے ہوتی ہے کہ ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ ایک Target کو لے کر چلتے ہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم یہاں پر آتے ہیں، ہمیں نہ آنے کا پتہ، نہ یہاں رہنے کا پتہ، نہ اپنی زندگی کا پتہ اور نہ اپنے مقصد کو ہم کبھی سوچتے ہیں کہ ہمارے لیے کیا Target ہے اور ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟

آپ یاد رکھئے! جب تک ہمیں منزل کی خبر نہیں ہوگی، تب تک ہم بھٹکتے رہیں گے اور ہمیں کبھی بھی صحیح راستہ نہیں ملے گا اور اگر اپنے آپ کو ہم محض تافہ اور حقیر چیزوں میں کھپائیں گے اور لگائیں گے تو اس کے بعد سوائے کف افسوس ملنے کے ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ اس لیے اس وقت میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے تعلیمی سال کے سات مہینے گذر گئے، اب آپ کے سامنے صرف تین مہینے باقی ہیں اور یہ آپ کی زندگی کے قیمتی لمحات ہیں، آپ نے اب تک جو وقت گذارا اگر اس میں کوتاہی ہوئی ہے تو اب آپ طے کیجیے کہ ان شاء اللہ ان تینوں مہینوں میں ہم اپنی جان کھپا دیں گے، ہم کوشش کریں گے کہ ہم سے اب تک جو کوتاہی ہوئی ہے اس کوتاہی کو ہم ختم کرکے اتنی تیزی سے انشاء اللہ قدم آگے بڑھائیں گے کہ جو ہم سے چھوٹ گیا ہے ہم اس کو cover کرلیں گے۔

محنت شرط ہے

آپ انگریزوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ انہوں نے کیا کیا؟ سات آٹھ سو سال تک مسلمانوں کے عروج کا جو زمانہ گذرا، اس زمانہ میں مسلمانوں کے مقابلہ پر کوئی نہیں تھا، ان کے پاس سب کچھ تھا اور دنیا کے خزانے تھے مگر کیوں تھے؟ اس لیے کہ انہوں نے دین کی حقیقت کو سمجھا تھا اور علم کا صحیح استعمال کیا تھا لیکن اس کے بعد جب انگریز آئے اور عیسائی دنیا سامنے آئی تو انہوں نے سب سے پہلے اپنے اس پورے زمانہ پر نگاہ ڈالی جو dark ages کہلاتا ہے اور کئی سو سال پر محیط ہے، پھر انہوں نے اپنی کوتاہیوں کو محسوس کیا اور اپنی غلطیوں کا انہیں احساس ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے تین سو سال زبردست محنت کی، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جو سات آٹھ سو سال کی محنت تھی' وہ محنت انہوں نے تین سو سال میں کرکے دکھادی اور آج ساری دنیا پر ہمیں ان کا غلغلہ اور ان کا دور دورہ نظر آرہا ہے۔

اجتماعی محنت کی ضرورت

ظاہر بات ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ دنیا میں جو محنت کرے گا اسی کو ملے گا۔ لیکن یہ محنت ایک فرد یا چند افراد کی نہیں ہوتی، جب تک محنت پوری ملت نہیں کرے گی، ہر فرد اور ہر جماعت اور ہر ادارہ اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرے گا، اس وقت تک اگر آپ چاہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ ایک بلند مقام کو حاصل کرے، اللہ اس دنیا میں اس کو عزت دے' یہ ہرگز ہرگز ممکن نہیں، جب تک کہ ہر فرد اور ہر جماعت اور ہر نظام اپنے بارے میں سوچ کر اور طے کرکے اپنی ذمہ داری کو ادا نہ کرے۔

یاد رکھیں! پوری ملت ایک مشین کی طرح ہے جو چل رہی ہے اور ہر ہر پرزہ اپنا کام کررہا ہے۔ ظاہر ہے جب ہر پرزہ اپنا کام بہتر طریقے پر کرے گا تو یہ مشین اپنا کام پوری طرح انجام دے گی اور اس کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے اور اگر کوئی اسکرو ڈھیلا ہوجائے تو مشین کیسے چلے گی؟ آپ بھی اس حقیقت کو سمجھئے کہ آپ بھی اسی مشین کا ایک حصہ ہیں۔

اپنی قیمت کو پہچانئے

آپ طالب علم ہیں اور آپ اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے، بلکہ اپنے وقت کو ضائع کرتے ہیں اور تھوڑے سے مزے کے لیے اپنے آپ کو برباد کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت میں خیانت کرتے ہیں تو یاد رکھئے! آپ پورے نظام میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ آپ کی انفرادی غلطی تنہا آپ کی غلطی نہیں ہے بلکہ میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اس غلطی کا اثر

فلسطین تک پہنچتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک غلطی کی اور اس کا اثر صرف ہماری ذات تک رہے گا تو یہ بالکل غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ آپ کی اس غلطی کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فیصلے ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک نمائندہ بنایا ہے تو آپ یہ نہ سمجھئے کہ اگر آپ کچھ کرتے ہیں تو وہ صرف آپ کی ذات تک محدود ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ آپ جو کچھ کرتے ہیں اس کا اثر پوری ملت تک جاتا ہے۔ آپ اسی مجلس میں یہ طے کیجیے کہ ابھی تک ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے، ہم اس سے توبہ کرتے ہیں اور اللہ سے طے کرتے ہیں اور اللہ سے معاہدہ کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہاں کی جو زندگی دی ہے وہ زندگی ایک امانت ہے، اگر ہم نے اس زندگی میں خیانت کی ہے تو اب ہم توبہ کرکے اپنی اگلی زندگی کو ایسا بنائیں کہ ملت اسلامیہ کے لیے ہم ایک ایسا قیمتی جوہر اور ایک ایسا ہیرہ ثابت ہوں کہ وہ ہیرہ اور جوہر جس پلڑے میں رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ اپنی قیمت کو نہیں پہچانتے، آپ میں سے ایک ایک فرد حقیقت میں ایک ایسا جوہر ہے کہ اگر وہ جوہر اپنی حقیقت کو پہچان لے اور جوہری کے پاس جاکر پوچھے تو اس کو معلوم ہو کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو لغو کاموں میں لگاتے ہیں، نہ ہمیں نمازوں کے اہتمام کا خیال ہے اور نہ ہی ہم درجات کے پابند ہیں۔

آپ طے کیجیے کہ ہمیں پہلے مرحلے میں اپنے آپ کو سنوارنے کی ضرورت ہے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ طالب علم ہیں تو آپ آزاد ہیں، اس لیے کہ طالب علموں کی زندگی تو شہزادوں کی زندگی ہوتی ہے، تو آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ اگر شہزادہ بھی کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کو روکا اور ٹوکا جاتا ہے کہ شہزادہ صاحب! آپ کی ٹوپی ٹیڑھی ہے۔ شہزادہ صاحب! آپ فلاں جگہ نہ جایئے اور آپ فلاں دوکان پر نہ بیٹھئے، کیونکہ یہ آپ کی شایانِ شان نہیں ہے۔

ندوی فضلاء کی دھری ذمہ داری

میرے دوستو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں غیر معمولی مقام عطا فرمایا ہے اور اس نے بہت اہم کام کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری ملت اسلامیہ کے لیے تمہیں منتخب کرکے یہاں بھیجا ہے۔ اس لیے میں آپ سے خاص طور پر یہ کہتا ہوں کہ الحمدللہ مدارس ہزاروں ہیں لیکن ندوۃ العلماء کا اپنا ایک امتیاز ہے، جس کے فضلاء اللہ کے فضل سے تفقہ فی الدین حاصل کرتے ہیں اور کسی نہ کسی درجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو انذار قوم کی صلاحیت بھی عطا فرماتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا سب سے بڑھ کر اگر کوئی ادارہ فریضہ انجام دے سکتا ہے تو وہ ندوۃ العلماء اور اس کے فضلاء ہیں۔ آپ کے اوپر ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے اور میں صاف کہتا ہوں کہ آپ پر تنہا اپنی ذات کی ذمہ داری نہیں ہے، یا آپ پر یہ ذمہ داری صرف ہندوستان کی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی ہے۔

میرے بھائیو! آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری جس کے لیے آپ کو یہاں تیار کیا جارہا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کی رہنمائی کریں، آپ سب کو اپنے اپنے علاقوں میں جانا ہے، آپ کو ایک چراغ بن کر رہنا ہے۔ تو جس طرح چراغ سے روشنی ہوتی ہے اور روشنی کرنے کے لیے چراغ میں تیل بھرا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح آپ اپنے چراغ میں تیل بھریئے اور آپ اپنی لو کو ٹھیک کیجیے اور اپنے آپ کو قربانی کے لیے تیار کیجیے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جب تعلیم وتدریس کا آغاز کرتے تھے تو اس وقت طلبہ سے یہ بات کہتے تھے کہ آپ طالبان علوم نبوت ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک بڑے کام کے لیے منتخب کیا ہے لیکن یاد رکھیں یہ قربانی کا کام ہے، اگر آپ قربانی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں تو اللہ آپ کی مدد کرے گا اور بے شک آپ بہت آگے جائیں گے، لیکن اگر آپ قربانی کے لیے تیار نہیں تو للہ ان مدارس کو بدنام مت کیجیے، ابھی وقت ہے آپ اپنے گھروں کو چلے جایئے۔

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے

میرے دوستو! دینی مدارس کا راستہ دیگر راستوں سے بالکل الگ ایک دوسرا راستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ: "یا رسول اللّٰہ! واللّٰہ إني لأحبك" (اے اللہ کے رسول! قسم بخدا مجھے آپ سے محبت ہے)۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن كنت تحبني فأعد للفقر تجفافا فإن الفقر أسرع إلي من يحبني من السيل إلى منتهاه" [سنن الترمذی: ۲۵۲۳] (اگر واقعی تمہیں مجھ سے محبت ہے تو فقر ومحتاجی کے لیے ڈھال تیار رکھو، اس لیے کہ جو آدمی مجھ سے محبت کرتا ہے، اس کی جانب فقر ومحتاجی اس سے کہیں زیادہ تیز جاتی ہے جتنا کہ سیلاب کا پانی اپنے رخ کے بہاؤ پر بہتا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیؓ سے فرمایا کہ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو فقر کے لیے

ڈھال تلاش کرلو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کو، اللہ کے دین کے لیے اپنے آپ کو کھپانے والوں کو، اس کے لیے اپنی جان جوکھم میں ڈالنے والوں کو غیر معمولی قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں۔ بے شک ان کے سامنے بے شمار مسائل آسکتے ہیں لیکن ان کی منزل بہت آگے ہے، کہتے ہیں کہ:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کیجیے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک بڑے کام کے لیے پیدا کیا ہے اور ایک بڑے کام کے لیے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میں سے ایک ایک فرد یہاں یہ طے کرلے کہ اس کو اپنا کام اور اپنی ذمہ داری سمجھنا ہے تو یہ بہت کافی ہے، پورے ملک اور سارے عالم کے لیے یہ کافی ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ تناسب انتہائی خطرناک حد تک اور انتہائی بھیانک حد تک بگڑا ہوا ہے، ہمارے مدرسوں کے فارغ ہونے والے بچے اکثر وہ ہوتے ہیں جو اپنے اندر احساس ذمہ داری نہیں رکھتے۔ صرف پانچ دس فیصد بچے وہ ہوتے ہیں جو اپنے مقصد کو پہچانتے ہیں، جو اپنی زندگی کو کھپاتے ہیں اور پھر وہ اپنے لیے ایک میدان بناتے ہیں، اپنے لیے ایک راستہ بناتے ہیں اور اپنی منزل تک پہنچتے ہیں۔ لیکن اکثریت کا حال کیا ہے؟ نہ انہیں یہاں پر اپنا ہوش رہتا ہے اور نہ فارغ ہونے کے بعد ہوش رہتا ہے، ظاہر ہے جب انہیں یہاں ہوش نہیں رہتا تو فارغ ہونے کے بعد ہوش کیسے آئے گا؟

دوست ودشمن کا فرق سمجھئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو وقت دیا ہے، یہ اللہ کی طرف سے ایک امانت ہے۔ اس لیے آپ طے کیجیے کہ ہمیں اپنے اس وقت کو قیمتی بنانا ہے، ہمیں ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے، اپنے وقت کو ضائع کرنے سے بچانا ہے۔ مگر ہمارا حال تو اس کے بالکل برعکس ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہم اپنے قیمتی اوقات کو صرف ضائع ہی نہیں کرتے بلکہ راتوں میں بیٹھ کر ایسی لغو باتوں میں برباد کرتے ہیں، جن کا اس مقدس جگہ پر بیٹھ کر میں اپنی زبان سے ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا، لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہوں گے اور جو بھی مرتکب ہیں وہ جانتے ہوں گے، میں ہر ایک سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی راتوں کی حفاظت کیجیے، آپ اپنے اوقات کی حفاظت کیجیے، آپ غلط چیزوں میں لگنے سے اپنے آپ کو بچائیے اور سمجھئے کہ یہ کون کررہا ہے؟ یہ آپ کا دشمن ہے جو آپ کے پیچھے لگا ہوا ہے اور آپ کو اس کی دشمنی کا احساس بھی نہیں۔ اگر آپ کا کوئی دشمن آپ کے گھر میں آجائے اور آکر سامان لوٹے، یا وہ اندر آکر آپ کے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرے اور ان کے ساتھ مار پیٹ کرے اور نہ جانے کیا کیا خرافات کرے لیکن آپ اس کو اپنا دوست بنائیں اور اس کے ساتھ رہیں تو اس سے بڑھ کر بے شرمی کی کون سی بات ہوسکتی ہے؟ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ آپ نے کتنے دشمن اپنی آستینوں میں پالے ہیں، البتہ اتنی بات آپ یاد رکھئے کہ اگر آپ دوست ودشمن کا فرق نہیں سمجھتے، تو آپ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

آپ اپنی حفاظت خود کیجیے

آپ اس بات کو یقین کے ساتھ جانئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو یہاں بھیجا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آپ کو ایک بڑے کام کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس لیے آپ اپنی حفاظت خود کیجیے، اپنے وقت کی حفاظت کیجیے، آپ کے لیے جو نظام بنایا گیا ہے اس کی پابندی کیجیے اور ہر ایسے کام سے بچئے جو آپ کے راستے کو کھوٹا کرنے والا ہو۔ اگر آپ نے یہ طے کرلیا تو میں سمجھتا ہوں کہ ان شاء اللہ آپ ایک بہت بڑے نظام کا حصہ بن سکتے ہیں۔

آپ یاد رکھئے! آپ اپنے آپ کو ہرگز ہرگز معمولی نہ سمجھئے، بے شک آپ ایک بڑے مشن کے لیے ایک بڑے سپاہی اور ایک بڑے جنرل بن سکتے ہیں، لیکن اس کے لیے بڑی تیاری کی بھی ضرورت ہے۔ اگر آپ ابھی تیاری کریں گے تو اللہ کی طرف سے فیصلے ہوں گے، اگر آپ ابھی تیاری کریں گے تو اللہ آپ کو بڑے کام کے لیے قبول فرمائے گا۔

حضرت مولاناؒ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ جو ندوۃ العلماء ہی کے فارغ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مقام دیا اور اللہ نے انہیں جو عزت عطا فرمائی، وہ دنیا جانتی ہے، بڑے بڑے بادشاہ ان کی خدمت میں آنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے دنیا ان کے قدموں میں لاکر ڈھیر کردی لیکن کبھی بھی انہوں نے دنیا کو سینے سے نہیں لگایا، ان کی زندگی دیکھو اور ان کی تاریخ پڑھو۔ میں آپ کے سامنے انہی کا ایک اہم واقعہ سناتا ہوں جو خود مجھے حضرت مولاناؒ نے کئی بار سنایا کہ:

ایک مرتبہ میں نے اپنے انگریزی کے استاد خلیل ہنسوی صاحبؒ سے پڑھنے کے دوران کسی کام سے باہر جانے کی اجازت لی۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ چھٹی لے کر جب میں کمرہ سے باہر نکلا تو میرے ہاتھ سے دروازہ زور سے بند ہوا، جس کی وجہ سے شاید ان کو یہ احساس ہوا کہ چھٹی ملنے پر میں نے اکڑ کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے انہوں نے اس بات کی شکایت حضرت مولاناؒ کے

عربی کے استاد شیخ خلیل عربؒ سے کی۔ شیخ خلیل عرب نے حضرت مولانا کے مربی برادر اکبر ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ سے پوری بات بتائی اور فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو آج ہم علی کی پٹائی کردیں؟ انہوں نے فرمایا کہ علی آپ کا شاگرد ہے اور آپ کو اس کی تنبیہ کا پورا حق ہے۔ اس کے بعد شیخ خلیل عرب نے حضرت مولانا کو بلایا اور کمرہ میں داخل ہوتے ہی ان سے کچھ سنے بغیر پٹائی شروع کردی اور خوب مارا، یہاں تک کہ آخر میں جوتے ہی جوتے سر پر مارے اور فرمایا: کیا تم اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہو؟ حضرت مولانا کہتے ہیں کہ میں بس سر جھکائے مسلسل پٹتا رہا اور جب گھر آیا تو چونکہ یتیمی کی وجہ سے گھر کا دلار بھی حاصل تھا اور اس وقت بہت زیادہ عمر بھی نہیں تھی، اس لیے والدہ صاحبہ نے پوچھا کہ سنا ہے آج تمہارے استاد نے تمہیں بہت مارا؟ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت کاتب تقدیر قلم لیے بیٹھا تھا کہ ہم کیا جواب دیں گے؟ اگر ہم یہ کہتے کہ ہاں واقعی انہوں نے آج بہت مارا، تو لکھ دیا جاتا کہ علی کو عربی نہیں آئے گی، لیکن حضرت مولانا کہتے ہیں: اللہ کا فضل تھا کہ ہم نے والدہ سے کہا کہ انہوں نے مارا تو ٹھیک ہی مارا، ان کو مارنے کا حق ہے، وہ ہمارے استاد ہیں۔ اس کے بعد گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ہوگیا کہ اللہ ان کو ایک بڑے کام کے لیے قبول فرمائے گا۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن ہمیں اس سے ایک سبق ملتا ہے۔

آپ اپنی منزل متعین کیجیے

ہر منزل کا ایک راستہ ہوتا ہے، اگر آدمی اس راستے پر چلے تو وہ منزل بڑی آسان ہوجاتی ہے اور اگر اس راستے سے ہٹ کر چلے تو کتنا ہی اچھا راستہ نظر آتا ہو لیکن منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں اس کی ایک مثال بھی دیتا ہوں کہ اگر ہمارے سامنے ایک بہت اچھی سڑک ہو اور ہمیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہاں جارہی ہے تو ہم اس اچھی سڑک پر اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے نہیں چلتے، بلکہ ہم اس راستے پر چلتے ہیں جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہو کہ وہ راستہ ہماری منزل تک جاتا ہے۔ چاہے وہ سڑک اچھی ہو یا نہ ہو، چاہے اس میں بڑے بڑے گڈھے ہوں اور بہت ہی خراب ہو، لیکن منزل ہماری متعین ہے تو ہم اسی راستے کو اختیار کریں گے جو ہمیں ہماری منزل سے قریب کرے اور اس خراب سڑک کے مقابلہ میں ہم اس اچھی سڑک کو بالکل اختیار نہیں کریں گے جو ہمیں ہماری منزل سے قریب نہ کرے۔

میں اکثر کہتا ہوں کہ اس دور میں بہت سے اچھا بولنے والے، اچھا لکھنے والے اور بہت بہتر طریقے پر اپنی بات کو پیش کرنے والے لوگ ہیں، لیکن ان کی بات جو وہ بہتر طریقے پر پیش کررہے ہیں، کیا وہ صحیح ہے؟ کیا وہ ہمیں ہماری منزل تک لے جائے گی؟ یا وہ بات ہماری منزل کھوٹی کرنے والی ہے؟

آپ یاد رکھیے! اس زمانہ میں ایسے فتنے ہیں اور ایسے لوگ کھڑے کیے گئے ہیں جو یورپ و امریکہ کی طرف سے paided ہیں اور ان کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ ان کی باتوں کے نتیجہ میں آج پوری ملت اسلامیہ کے لیے غلط راستے پر پڑجانے اور گمراہی میں مبتلا ہونے کے مواقع بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں اور ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کون کس راستے پر چلا جائے؟

ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ ان حقائق کو سمجھیں اور آپ یقین کے ساتھ جانیں کہ آپ کو اپنی منزل تک جانا ہے، خواہ راستہ کیسا ہی ہو؟ آپ کو یہ راستہ سر کرنا ہے، چاہے کتنا ہی پرخطر راستہ ہو اور کیسا ہی ناہموار راستہ ہو، لیکن آپ کے لیے اصل آپ کی منزل ہے اور آپ کو اپنی منزل تک ہر حال میں پہنچنا ہے۔

آپ اپنی زندگی کو ایک نمونہ بنائیے

میرے عزیزو! آپ اپنے مقصد کو متعین کیجیے، آپ اپنے وقت کی قیمت کو پہچانئے اور جو وقت باقی رہ گیا ہے اس کی قدر کیجیے۔ آپ یہ سمجھئے کہ ہم نے ایک بڑا وقت گنوادیا، اب جو بھی وقت ہمارے لیے بچا ہے یہ ہمارے لیے بہت قیمتی ہے۔ اس لیے ہم زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو ان کاموں میں لگائیں جو ہمارے لیے ضروری ہیں اور ہمیں آگے بڑھانے کے لیے معاون ہیں، ہم اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ مرتب بنائیں، اپنے اوقات کو مرتب کریں اور اس طرح اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ یہ آپ کے اوپر اس وقت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

موجودہ حالات میں جب کہ ملت اسلامیہ غیر معمولی حالات سے دوچار ہے، ایسے سنگین حالات میں، میں سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے فارغین کے اوپر خاص طور پر سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ملت کے لیے، ملت کی خدمت کے لیے اور ملت کی رہنمائی کے لیے تیار کریں۔ ساری دنیا میں جو مسلمان بستے ہیں بلکہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے آپ کی زندگی ایک نمونہ بنے اور اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو صلاحیت دے، رسوخ فی العلم عطا فرمائے، آپ کی زبان میں اور آپ کے قلم میں وہ طاقت دے کہ اس کے ذریعہ سے آپ ملت کی خدمت کرسکیں اور لوگوں کو صحیح راستہ بتاسکیں، یہ آپ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

عزم وارادہ کی ضرورت

آپ یہاں سے یہ طے کرکے جائیے کہ آج سے ان شاء اللہ ہمیں ایک نئے دور کا آغاز کرنا ہے۔ جب تمام طلبہ یہ بات طے کریں گے تو آپ اس کا فائدہ دیکھیں گے اور میں یہاں تک کہتا ہوں کہ جو بچے یہاں نہ آئے ہوں؛ "فليبلغ الشاهد الغائب" کہ جو بچے یہاں موجود ہیں وہ جاکر ان تک یہ بات پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کہ ہم یہاں اپنا وقت ضائع کرنے نہیں آئے ہیں، آج ہمارے پاس وقت ہے، اگر ہم سب طے کرلیں کہ ہمیں ان شاء اللہ ملت کے اندر قوت پیدا کرنے کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا ہے، اگر ہم سنبھلیں گے تو ملت طاقتور ہوگی اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس دین کو ہمارے ذریعہ سے عزت دے گا، لیکن اگر خدانخواستہ ہم خود اپنے پیر پر کلہاڑی مارنے کے لیے تیار ہیں، اپنے آپ کو برباد کرنے کے لیے تیار ہیں تو یاد رکھئے! آپ تو برباد ہوں گے ہی مگر یہ ملت کا بھی بہت بڑا نقصان ہے، اس لیے کہ آپ ملت کی امانت ہیں، آپ ملت کی طاقت ہیں اور آپ ملت کا روشن مستقبل بھی ہوسکتے ہیں لیکن یہ جب ہے جب ہم خود اپنے آپ کو روشن کرنے کی فکر کریں، اپنے آپ کو آراستہ کریں، اپنے دل پر محنت کریں، اپنے دماغ پر محنت کریں، اپنے وقت کی حفاظت کریں، نمازوں کا اہتمام کریں اور درجوں کی پابندی کریں۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ کیا اب اس کے لیے بھی آپ سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟ کیا آپ سے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ آپ نمازوں کا اہتمام کریں اور درجوں کی پابندی کریں؟!

آخری بات

میرے دوستو، عزیزو اور بھائیو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو بڑا فہم عطا فرمایا ہے لیکن اس کو ذرا سا صحیح رخ دینے کی ضرورت ہے، اس کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور دل و دماغ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ میں آپ سے کہوں گا کہ آپ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کتابیں پڑھئے، ان میں آپ کو بڑا مغز ملے گا اور کام کے راستے ملیں گے۔ آپ اچھی کتابیں ضرور پڑھیں، ورنہ اس دور میں ایسے ایسے مصنّفین موجود ہیں جو انکار حدیث تک کرتے ہیں اور نہ جانے کیسے کیسے لوگ ہیں جو دین کی سمجھ نہیں رکھتے اور اس کے نتیجہ میں خود گمراہ ہوتے ہیں اور امت کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مگر آپ ان سب سے ہوشیار رہیں، آپ اپنے راستے کو کھوٹا نہ ہونے دیں، آپ اپنی منزل تک پہنچیں اور ملت کے لیے ایک طاقت کا ذریعہ بنیں، یہاں تک کہ جب آپ فارغ ہوکر کسی علاقہ میں جائیں تو تنہا آپ کی ذات پورے علاقے کے لیے کافی ہو اور آپ کی ذات سے پورے علاقے میں روشنی ہو، آپ ایک چراغ بن کر وہاں پر رہیں اور ظاہر ہے کہ جب چراغ جلتا ہے تو بتی جلتی ہے، آپ قربانی دیں گے لیکن آپ کی قربانی سے عالم میں روشنی پھیلے گی اور کم از کم آپ کا علاقہ تو ضرور روشن ہوگا اور پھر اتنے چراغ جلیں گے کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس ملک میں روشنی کا سامان فرمادے بلکہ پوری دنیا میں روشنی کا سامان فرمادے۔ اللہ کے لیے تو سب کچھ آسان ہے لیکن اس کے لیے آپ کے عزم و حوصلہ اور آپ کے ہمت و ارادہ کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور جو باتیں کہی گئیں ہیں ان کا صحیح فہم دے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

..................بقیہ صفحہ ۱۲/کا

اس کے برعکس دوسرے غیر مسلم ماحول یا معاشرہ میں ہم کو یہ چیز نسبتاً بہت کم نظر آئے گی، بعض وہ ممالک جو ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہونچ رہے ہیں، ان کو اپنی مادی ریس کے سامنے اس کی فرصت ہی نہیں ہے کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس بیماری کی گرفت سے آزاد ہیں، بلکہ وہ عالمی پیمانے پر اس میں پوری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ جب بھی ہمارے دل میں کسی طرح کی بدگمانی پیدا ہو، پہلے ہم اس کی تاویل کرنے کی کوشش کریں، لیکن اگر اس سے کام نہ چل سکے تو صاحب معاملہ سے رجوع کرکے اس گمان کو ظاہر کریں، تاکہ اگر بات کسی حد تک صحیح بھی ہو تو وہیں سے وہ ختم ہوجائے، ہر ایسی صورت میں جس میں ہمارے سامنے بدگمانی کے مواقع موجود ہوں اطمینان اور سنجیدگی سے کام لینا بیحد مفید ہے، اور عداوت ونفرت کے جذبہ کی پرورش کرنے کے بجائے اس کو ظاہر کرکے اس سے نجات حاصل کرنا ظاہری وباطنی دونوں حیثیتوں سے فائدہ بخش ہے۔

ہماری کمزوریوں اور اخلاقی زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے دل، ایک دوسرے کے لیے روشن نہیں ہیں جس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہو۔ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "المؤمن مرآة المؤمن" کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے۔

☆☆☆☆☆

یادوں کے چراغ

دادا مرحوم کی کچھ یادیں - کچھ باتیں

ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ہم اس کے حضور اپنے شکرانے کا نظرانہ پیش کرتے ہیں کہ اُس نے ہم کو اُس خاندان اور اُس گھرانے میں پیدا کیا جس کو اس نے دنیا کی فراست اور آخرت کی فکر وعمل دونوں سے ہی مالا مال کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسا ماحول بھی عطا کیا جس نے اِن دونوں نعمتوں کی آبیاری میں بے کراں مدد کی۔ میرا اشارہ دادا مرحوم جناب محمد سمیع صدیقی اور والد ماجد جناب پروفیسر وصی احمد صدیقی مرحوم اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے خوبصورت کیمپس کی جانب ہے۔ ہماری یہ تیسری پشت ہے جس نے اس علم وادب کے گھوارہ کی خدمت کو عظمت سمجھ کر زندگی کا اہم جزء بنالیا۔

یہ ایک مختصر سی سوانح حیات ہے دادا مرحوم جناب محمد سمیع صدیقی کی جن کو پورا خاندان ''ماسٹر ابا''، اور ہم لوگ یعنی اُن کے بیٹے، بیٹیاں، پوتے اور پوتیاں صرف ''ابا میاں'' کہا کرتے تھے۔ کسی ایسے شخص کی سوانح حیات پر قلم اُٹھانا اور اُس کے ساتھ مکمل انصاف بھی کرنا اتنا آسان نہیں، جس کا ہر پہلو مکمل مرصع داستاں ہے۔

ابا میاں کی زندگی ایک جانب کسی صوفی کی طرح نرم اور سادہ تھی اور دوسری جانب ایک مجاہد کی طرح سرگرم عمل تھی تو تیسری جانب ایک مشفق استاد کی طرح صبر آزما اور چوتھی جانب ایک فکر مند باپ کی طرح محنت کش۔ ابا میاں ان تمام صفات کے متوازن امتزاج کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن مقرب بندوں میں سے تھے جن کی فجر کی نماز باجماعت صف اوّل میں ندوہ کی مسجد میں شاذ ونادر ہی قضا ہوتی تھی۔

ابا میاں مشرقی حکومت کے مشہور شہر جونپور کے ضلع مڑیاہوں میں ایک متوسط گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم مڑیاہوں میں ہی ہوئی۔ وقت کے ساتھ یہ گھرانہ بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ کچھ اعزا لکھنؤ آگئے جن کے ساتھ نوجوان محمد سمیع کو بھی پڑھنے لکھنے کا شوق پیدائشی تھا جس کو ماحول نے بھی جلا بخشی۔ لکھنؤ کرسچین کالج سے ایف.اے. اور پھر لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم.اے. انگریزی میں کیا۔ اقتصادی مشکلوں کے باوجود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم.اے. اردو اور فارسی میں کیا۔ تدریسی شوق کی تکمیل کے لیے جی.ٹی. اور ایل.ٹی. کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں جب ہندوستان انگریزوں کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا، ابا صاحب جنگِ آزادی میں وہاں پر کھڑے ہوئے تھے جہاں دیوبند، ندوہ اور جمعیۃ علماء ہند کھڑی ہوئی تھی۔ ابا میاں کو قوم کی آزادی سے زیادہ قوم کی تعلیم کی فکر تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں قیام کے دوران ابا میاں کا تعارف رشید احمد صدیقی نے علامہ سید سلیمان ندویؒ سے کرایا۔ (میری دادی مرحومہ رشید احمد صدیقی کی سگی چھوٹی بہن تھیں)۔ علامہ نے ابا میاں کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں انگریزی کا استاد مقرر کر دیا۔ اُس وقت سے انتقال (۱۹۸۳ء) تک ابا میاں کا تعلق ندوہ سے لگا تار جڑا رہا۔ ندوہ کے ماحول سے ایسی محبت ہوگئی کہ یہیں مسجد کے زیر سایہ تین کمروں کا ایک چھوٹا سا ذاتی مکان بنوالیا۔ یہیں اپنی پوری زندگی پڑھنے، پڑھانے اور بچوں کی پرورش اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلوانے میں گذاردی۔

ابا میاں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ بچوں کو اعلیٰ سائنسی تعلیم خالص دینی ماحول میں دلواسکیں۔ خوش قسمتی سے اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس خواہش کو بھی پورا کردیا۔ ہم سب کی ابتدائی تعلیم ندوہ کے مکتب میں پوری ہوئی۔ سب بچے ۴؍سال خالص اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آگے کی تعلیم کے لیے سرکاری اسکولوں میں گئے، اور آگے کی تعلیم وہیں پوری کی۔ انگریزی اسکولوں کی تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ابا میاں نے پرائیوٹ ٹیوشن بھی کیے جس کی وجہ سے ان کی مصروفیت اور زیادہ بڑھ گئی۔ دادی کی دُعاؤں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ابا میاں کی مشقتیں رنگ لائیں۔ اُن کے سارے بیٹے اور بیٹیوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ امریکہ کی اعلیٰ یونیورسٹی میں سائنسی تعلیم اور ریسرچ مکمل کی۔ دونوں بیٹیوں نے لکھنؤ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی اور اردو میں ایم.اے. اور ایم.ایڈ. کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ابا میاں کے سب سے بڑے بیٹے پروفیسر وصی احمد صدیقی (ہمارے والد مرحوم) نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ریاضی میں ایم.ایس.سی. کیا اور پھر آگرہ یونیورسٹی میں ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوکر واپس ندوہ کیمپس کے اپنے گھر آگئے، اور ندوہ میں معتمد مال کی حیثیت سے پوری زندگی ندوہ کی خدمت میں گزاردی۔ اُن کے دوسرے بیٹے نے لکھنؤ یونیورسٹی

سے ایم.ایس.سی.اور پی.ایچ.ڈی.اور پھر امریکہ سے ڈی.ایس.سی.کی ڈگریاں حاصل کیں۔امریکہ اور پھر لیبیا میں پڑھانے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے پڑھانے لگے،اور پھر وہیں ڈین فیکلٹی آف سائنس کی حیثیت ریٹائرڈ ہوگئے۔ اُن کے تیسرے بیٹے لکھنؤ میڈیکل کالج سے ایم. بی.ایس. کیا،اس کے بعد چنڈی گڑھ میڈیکل کالج میں سرجری کے شعبہ میں لکچرر ہوگئے، پھر جلد ہی امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے اعلیٰ تعلیم اور سرجری کی ٹریننگ حاصل کی،اور وہاں اپنی ذاتی پریکٹس کی اور پڑھانے کے ساتھ ساتھ سرجری بھی کرتے رہے۔اپنے ہسپتال میں سرجری کے ہیڈ کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوکر اب نیویارک میں قیام پذیر ہیں۔ سب سے چھوٹے بیٹے نے علی گڑھ سے انجینئرنگ کرنے کے بعد رُڑکی یونیورسٹی سے ایم.ای.او.پھر امریکہ سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھایا۔ نیویارک میں محکمہ ہائی وے میں کئی سال کام کرنے کے بعد جلد ہی ریٹائرڈ ہوکر نیویارک میں قیام پذیر ہیں۔

۱۹۴۶ء میں تقسیم ہند کے بعد ندوہ کے اقتصادی حالات کافی نازک ہوگئے تھے،اس پُر آشوب دور میں ابا میاں کو ندوہ کی ملازمت کرنا بڑا دشوار ہوگیا تھا۔ اللہ کا کرنا ہوا کہ انہیں دنوں ابا میاں کو لکھنؤ کے ایک ہائی اسکول میں پرنسپل کے طور پر خدمت کا آفر ملا گیا۔یہ اسکول لکھنؤ کے ایک مشہور بیرسٹر ممتاز حسن مرحوم نے کھولا تھا۔ اس اسکول سے وابستہ ایک یتیم خانہ بھی تھا۔ابا میاں نے پرنسپل شِپ قبول کرلی اور پھر تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگ گئے۔ان کی کوششوں سے ممتاز ہائیر سیکنڈری اسکول اِس وقت ڈگری کالج ہے جہاں سے فارغ ہوئے طلباء انجینئرنگ اور میڈیکل کالجوں میں آگئے اور تعلیم حاصل کرتے رہے بشمول وہ یتیم بچے جو یہاں رہتے ہیں۔

وقت بدل گیا۔ندوہ کا پُرآشوب دور بھی ختم ہو گیا،اور ندوہ ایک مرتبہ پھر اپنے مقاصد کی تکمیل کی طرف گامزن ہوگیا۔ ہندوستان کے مشہور و معروف حَسنی خاندان نے اس کی باگ ڈور سنبھال لی۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (مولانا علی میاں ندویؒ) نے اپنی اعلیٰ دینی اور علمی شخصیت سے ندوہ کو پھر ساری اسلامی اور مغربی دنیا میں روشناس کرایا۔ نہ صرف عرب ممالک بلکہ امریکہ اور یورپ میں ندوہ ایک اعلیٰ اسلامی درس گاہ کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے ندوہ کو لگاتار اعلیٰ قیادت فراہم کی اور ندوہ ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔

ابا میاں کا تعلق حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ سے خلوص ومحبت اور احترام کی بنیاد تھا، گو کہ یہ دونوں ہی حضرات ابا میاں کے شاگرد بھی رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اُن کے آپس کے تعلقات نہایت عزت اور احترام کے تھے۔ہمارے دو چچا ڈاکٹر مطیع احمد صدیقی اور ڈاکٹر رضی احمد صدیقی ۱۹۷۰ء سے ہی نیویارک میں قیام پذیر ہیں۔۱۹۷۰ء میں ابا میاں امریکہ گھومنے گئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال نیویارک میں مطیع چچا کے گھر میں ہی قیام کیا۔اس گھر کا نام بھی 'ندوہ' ہی رکھا گیا یعنی ابا میاں نیویارک میں رہ کر بھی ندوہ میں رہے۔انہیں دنوں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ امریکہ تشریف لے گئے جہاں اُن کے متعدد لکچر ہوئے تھے مختلف شہروں میں اُن لوگوں کا قیام ظاہر ہے کہ 'ندوہ' میں تھا۔رضی چچا بتلاتے ہیں کہ مولانا کا قیام نیویارک میں بہت پرلطف اور خالص ادبی اور مذہبی تھا، روزانہ شام کو محفل ہوتی تھی۔جس میں مولانا کے قدردان آجاتے تھے اور حضرت کی بصارت افروز گفتگو سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔گفتگو کے دوران ابا میاں بھی اپنے تجربہ سے حاضرین کو روشناس کیا کرتے تھے۔امریکہ سے واپسی کا سفر بہت مبارک رہا۔جب ابا میاں کا لندن،جدہ اور کراچی میں قیام رہا۔لندن میں انہوں نے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کا بھی دورہ کیا اور وہاں نظامِ تعلیم کا ایک سرسری مشاہدہ بھی کیا۔ان علمی درسگاہوں کو ذاتی طور پر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔لندن سے فریضۂ حج ادا کرنے ابا میاں اور امی جان (دادا اور دادی) مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کے گھر ہی قیام کیا۔مولانا بھی ابا میاں کے شاگرد رہ چکے تھے۔مولانا کے بچوں کی وجہ سے عمرہ اور حج میں ابا میاں کو بڑی سہولت رہی۔ سعودی عرب سے کراچی تشریف لے گئے جہاں بہت سے اعزا سے ملاقات رہی۔

لکھنؤ واپس ہوئے اور ایک مرتبہ پھر تدریسی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔علامہ کی مشہور بچوں کے لیے مختصر مگر جامع سیرت نبوی پر ''رحمت عالم'' نام کی کتاب کا انگریزی ترجمہ کرکے شائع کیا۔ابا میاں نے اپنے مختصر سے اندوختہ فنڈ کا ایک بڑا حصہ اسی کتاب کی اشاعت پر خرچ کردیا۔

.................بقیہ صفحہ ۲۲ر پر

محاسن اسلام

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

ڈاکٹر سراج الدین ندوی

دنیا میں دو طرح کے قوانین کارفرما ہیں۔ایک تکوینی اور ایک تشریعی۔تکوینی قوانین وہ ہیں جو انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں اور ان کو براہ راست اللہ تعالیٰ چلا رہا ہے۔مثال کے طور پر سورج کا طلوع وغروب ہونا، رات دن کا بدلنا، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا برسنا وغیرہ۔یہ تمام نظام اللہ تعالیٰ کے تکوینی قوانین کے تحت چل رہا ہے۔انسان اگر چاہے بھی تو اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:''تم اللہ کی سنت (طریقہ) میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے''[الفتح:۲۳]۔اللہ کے تکوینی نظام میں عدل کی کارفرمائی ہے۔اس لیے ہر چیز اپنی جگہ کام کررہی ہے۔سورج اپنے وقت پر نکلتا ہے اور اپنے وقت پر غروب ہوجاتا ہے۔نہ معلوم کتنی مدتیں گزر گئیں، لیکن اس کی چال میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔چاند اپنی تاریخوں پر نکلتا ہے اور رفتہ رفتہ بڑھتا ہے پھر اپنی متعینہ تاریخوں پر گھٹنا شروع ہوجاتا ہے۔کبھی اس میں فرق نہیں آتا۔اگر کبھی سورج اور چاند میں گرہن لگتا بھی ہے تو وہ بھی خدا کے قانون کے مطابق ہی لگتا ہے۔اگر یہ نظام انسان کے ماتحت ہوتا تو طاقت ور ممالک غریب ممالک پر سورج کی روشنی بند ہی کرڈالتے اور جب چاہتے دنیا کے ایک حصہ پر تاریکی مسلط کردیتے۔

اللہ کا دوسرا نظام تشریعی ہے۔جس میں انسان کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی پسند کا قانون عطا فرمایا ہے لیکن اس کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اس کے قانون پر عمل کرے۔مثال کے طور پر اللہ نے ہمیں ہاتھ دیے جن کو اچھے کام کے لیے استعمال کرنا چاہئے، ان ہاتھوں کو اگر ہم اپنے روز مرہ کے کاموں میں مدد وتعاون حاصل کرنے اور دوسروں کی مدد کرنے میں استعمال کرتے ہیں تو یہ اللہ کی پسند کے مطابق ہوگا۔لیکن ہم مجبور نہیں ہیں، ہم ان ہاتھوں سے کسی کو اٹھانے کے بجائے دھکا دے کر گرا بھی سکتے ہیں، ان ہاتھوں سے کسی کو کچھ دینے کے بجائے چھین بھی سکتے ہیں، مدد کرنے کے بجائے ظلم وزیادتی بھی کرسکتے ہیں۔ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی کو دھکا دیں یا کسی سے کچھ چھینیں تو ہمارے ہاتھ شل ہوجائیں اور کام کرنا چھوڑ دیں۔یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اول الذکر کاموں سے خوش ہوگا اور ثانی الذکر سے ناراض ہوگا۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس طرح تکوینی نظام عدل پر قائم ہے اسی طرح انسان تشریعی نظام میں بھی عدل سے کام لے۔اگر انسان عدل سے کام لے گا تو دنیا میں اس کی زندگی میں امن ہوگا، سکون ہوگا، خوش حالی ہوگی، وہ محفوظ رہے گا اور مرنے کے بعد بھی اس کو ابدی اور دائمی جنتیں حاصل ہوں گی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''بے شک اللہ عدل واحسان کرنے اور اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور فحاشی، منکرات اور سرکشی سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، شاید کہ تم نصیحت حاصل کرنے والے بن جاؤ''۔[النحل:۹۰]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے''۔[سورہ نساء:۱۳۵]

عدل کی ضد ظلم ہے۔عدل یہ ہے کہ ہر شئی کو اس کے مقام پر رکھا جائے اور ظلم یہ ہے کہ کسی شئی کو اس کے مقام پر نہ رکھا جائے۔عدل کے ثمرات امن وسکون، خوش حالی اور ترقی کی شکل میں ملتے ہیں اور ظلم کا نتیجہ فتنہ وفساد، بدامنی اور خون ریزی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔عدل ہوگا تو انسانی معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہوگا اور عدل نہیں ہوگا تو ظلم وفساد ہوگا۔آج ہم دنیا کے جس حصہ میں بھی جنگ کا سامنا کررہے ہیں وہ عدل کے فقدان کا نتیجہ ہے۔تازہ مثال اسرائیل اور فلسطین جنگ کی ہے۔اہل فلسطین کیوں جنگ پر آمادہ ہوئے؟ اس لیے کہ ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی۔اسرائیل اور اس کو قائم کرنے والے ممالک کی ناانصافیاں آج تباہی کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔اس سے قبل کی تمام جنگوں کی تاریخ اٹھالیجیے۔ان کے اسباب میں آپ کو ظلم کارفرما نظر آئے گا۔

موجودہ دور میں ہر جگہ ناانصافی نظر آتی ہے، وہ بین الاقوامی ادارے جو دنیا میں امن کے نوبل انعام تقسیم کررہے ہیں وہ خود ناانصافی اور ظلم کا سرچشمہ ہیں، اقوام متحدہ جس کا قیام اس لیے ہوا

تھا کہ کوئی ملک کسی ملک پر ظلم نہ کرے وہاں ظالموں کے حق میں ویٹو کیا جارہا ہے۔ملک میں عدالتوں کے فیصلے،حکومت کی پالیسیاں،عدل سے عاری ہیں۔لوگوں کی آستھا کو سامنے رکھ کر، اقتدار پر براجمان لوگوں کے اشاروں پر، کسی عہدے و منصب کے لالچ میں، کسی کے ڈر اور خوف سے عدالتیں فیصلے کررہی ہیں۔رائے دہندگان کو سامنے رکھ کر آئین کے صریح خلاف پالیسیاں بنائی جارہی ہیں،گواہ،وکیل اور جج رشوت لے کر گناہ گار اور مجرم کو باعزت بری کررہے ہیں۔بلقیس بانو کے مقدمہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کس طرح ایک حکومت نے سزایافتہ مجرمین کو سلاخوں سے رہا کردیا اور مظلوم کو ایک بار پھر انصاف مانگنے کے لیے عدالت عظمیٰ کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ہماری بے ضمیری کا عالم یہ ہے کہ مجرمین اور قاتلین کو پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر حال میں انصاف کا حکم دیتا ہے۔مجرم خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو،وہ صاحب اثر ورسوخ والا ہی کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ وہ ملک کا حاکم ہی کیوں نہ ہو اگر وہ مجرم ہے تو اسے سزا ضرور ملے گی۔ارشاد باری ہے:''کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے،انصاف کرو، یہ خداترسی کے زیادہ قریب ہے،اللہ سے ڈرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے باخبر ہے۔''[المائدہ:۸]

اسلامی تاریخ ایسے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے۔دورِ رسالت میں ایک خاتون نے چوری کی،اس کا نام فاطمہ تھا،وہ معزز خاندان کی فرد تھی، کچھ لوگوں کے کہنے پر حضرت اسامہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سزا میں تخفیف کے لیے سفارش کی۔آپؐ نے فرمایا:''کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزا میں سفارش کررہے ہو؟ اسامہ نے معذرت کرلی۔اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:''اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی معمولی شخص اسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے سزا دے دی جاتی۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا''۔[صحیح بخاری]

حضرت علیؓ کے دور خلافت میں اسلامی عدالت کے قاضی حضرت شریحؒ نے ایک معاملہ میں خود امیر المومنین حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ دیا۔مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہوگئی، کچھ دن بعد وہی زرہ آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی تو اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔یہودی نے کہا کہ یہ میرے قبضہ میں ہے اس لیے میری ہے۔آپ ثبوت لائیے اور قاضی سے فیصلہ کرائیے،چنانچہ قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔حضرت علیؓ نے اپنے غلام اور اپنے بیٹے کو بطور گواہ پیش کیا،قاضی نے کہا کہ مالک کے حق میں غلام کی اور باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قابل قبول نہیں۔اور زرہ یہودی کو دے دی۔یہودی اس انصاف سے متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ یہ زرہ حضرت علیؓ ہی کی ہے۔اسی کے ساتھ اس یہودی نے اسلام قبول کرلیا۔

بہت دور نہ جائیے خود ہمارے ملک میں عدل جہانگیری مشہور ہے۔ہم نے زنجیر عدل ایجاد کی۔ہم جب تک عدل کرتے رہے دنیا پر حکمرانی کرتے رہے۔ایک وقت وہ تھا جب ہماری گواہیاں معتبر تھیں اس لیے کہ ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے۔اترپردیش کے شہر مظفرنگر میں ایک قطعہ زمین کی ملکیت پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تنازع تھا۔یہ برٹش دور کی بات ہے۔مقدمہ انگریز کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ دونوں فریق اپنے دعوے پر قائم تھے۔انگریز جج نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا کوئی ہندو ایسا ہے جس کی گواہی پر آپ اطمینان کرسکتے ہوں۔ مسلمانوں نے انکار کردیا۔یہی بات جج نے ہندوؤں سے معلوم کی۔انھوں نے آپسی تبادلہ خیال اور غور وفکر کے بعد کہا کہ ایک بزرگ ہیں وہ بہت ایماندار ہیں ہم ان کی گواہی پر یقین رکھتے ہیں۔وہ جو کہہ دیں گے ہم مان لیں گے۔جج نے ان کو بلانے کے لیے سپاہی بھیجے۔جب سپاہی وہاں پہنچے تو بزرگ نے کہہ دیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی انگریز کی صورت نہ دیکھوں گا۔ سپاہیوں نے یہ بات جج کو بتائی۔جج نے کہلا بھیجا کہ میری صورت نہ دیکھیں۔میری طرف پیٹھ کرکے کھڑے ہوجائیں اور گواہی دے دیں۔ اس شرط پر بزرگ تشریف لے آئے اور جج کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے۔جج نے مقدمہ کی تفصیلات بتائیں اور ان سے گواہی چاہی۔بزرگ نے بڑے اطمینان سے کہا کہ اس زمین پر مسلمانوں کا دعویٰ جھوٹا ہے۔یہ زمین ہندوؤں کی ہے۔جج نے ان کی گواہی پر ہندوؤں کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔اس کا بہت اثر ہوا اور بہت سے ہندو اسی وقت مسلمان ہوگئے۔جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ:''آج مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا''۔یہ بزرگ شیخ محمود بخشؒ سہارن پوری تھے۔مفتی مظفر حسینؒ ان ہی کے بھتیجے تھے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ ہم خود عدل و

انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔اسی لیے ہمارا اعتبار ختم ہوگیا ہے اور ہماری عزت جاتی رہی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا کھویا ہوا وقار واپس آجائے ،تو ہمیں انصاف قائم کرنے والا بننا ہوگا۔ہمیں توظلم سے باز رہنے،ظلم نہ سہنے اور ظلم کو آگے بڑھ کر روکنے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو معزول کر کے ہمیں منصب امامت پر اس لیے فائز کیا تھا کہ ہم دنیا سے ظلم کو مٹا ڈالیں۔ ہمارے پاس تو خوف خدا کا وہ نسخہ تھا جس نے ہماری زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا تھا، دنیا نے ہمارے دور خلافت میں دیکھا تھا کہ ایک عورت دودھ میں پانی ملاتے ہوئے بھی ڈرتی تھی ۔مجرم اپنے جرم کا اقرار کر کے خود سزا کا مطالبہ کرتے تھے تا کہ خدا کے یہاں جہنم کے عذاب سے بچ جائیں ۔ہمیں حیات رسولؐ کی شکل میں وہ اسوہ کاملہ عطا کیا گیا تھا جس سے ہم نے اپنی زندگیوں کو اس طرح منور کیا تھا کہ ساری دنیا اس نور سے جگمگا اٹھی تھی۔

آج ہر طرف جو ظلم ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بڑے ذمہ دار ہم خود ہیں ۔اگر ہم خود کے ساتھ ،خدا کے ساتھ ،خدا کے پیغام کے ساتھ انصاف کرتے اور سماج و معاشرے میں انصاف کو قائم کرتے تو ہمارے اقتدار کا سورج غروب نہ ہوتا ۔ہمیں اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ اپنی اولاد کے ساتھ ،اپنے ہمسائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ،اپنے زیر دست افراد کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہے؟اگر ہم عدل پر کاربند ہیں تو یقین رکھیے اللہ ہمیں ضرور سرخ رو کرے گا اور اگر ہمارا رویہ غیر عادلانہ اور ظالمانہ ہے تو مزید رسوائیاں ہماری منتظر ہیں۔

☆☆☆☆☆

.................بقیہ صفحہ۱۹/کا

ابا میاں نے اپنی پوری زندگی حصولِ علم اور تدریسی مصروفیات میں گزار دی۔ تدریسی ذمہ داریوں کو بڑی خوبی سے اپنی آخری سانس تک نبھاتے رہے۔ وسعت قلب، خلوص، اخلاق، صداقت، دیانتداری، صبر سے بھرپور ایک کامیاب زندگی گزاری۔ تدریس اور اللہ کی عبادت سے ان کو جنوں کی حد تک عشق تھا۔ جون کی سخت گرمی ہو یا دسمبر کی سرد راتیں اُن کے معمول عبادت میں کبھی کمی نہیں آئی۔ اسی طرح جس وقت بھی کوئی طالب علم اُن کے پاس اپنی مشکل لے کر آیا انہوں نے اس کو کبھی مایوس نہیں کیا۔

انتقال سے صرف ایک دن پہلے تک بچوں کو پڑھاتے رہے۔ جب ندوہ کے سارے طلبہ و اساتذہ ان کو سپرد خاک کر کے لوٹے تو اس وقت اُن کے لکھے ہوئے جملے کلاس روم کے تختِ سیاہ پر سفید چاک سے روشن تھے۔ ایک استاد کبھی مرتا نہیں ہے۔ اس کے شاگردی اور اس کی پھیلائی ہوئی علم کی روشنی ہمیشہ آنے والی نسل کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ ابا میاں آج بھی ہمارے دلوں میں اور اُن کے ہزاروں شاگردوں کی یادوں میں رہتے اور بستے ہیں۔

ابا میاں ممتاز کالج سے ریٹائرمنٹ کے بعد دوبارہ ندوہ کے طالب علموں کو رضا کارانہ انگریزی کی تعلیم دیتے رہے۔

اس موقع پر میں چاہتا ہوں کہ ابا میاں کا جو ذاتی تعلق ہم سے تھا، اس کا بھی ایک مختصر ساذکر ہو جائے۔ گرمیوں کی سالانہ دو ماہ کی چھٹیاں ہم سب بھائی بہن ندوہ میں گزارتے تھے۔ اس کے علاوہ مجھے اور صرف مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے کئی سال اپنی طالب علمی کے دوران ابا میاں اور امی جان (دادا-دادی) کے ساتھ ندوہ میں گزارے۔ یہ ماہ وسال میری زندگی کے قیمتی اور بہترین دن تھے۔ جن کو میں نے اس وقت تو اتنا گراں قدر محسوس نہیں کیا تھا جتنا اب محسوس کرتا ہوں۔ اُن کی اس وقت کی تربیت، نرم گوئی، مہمانوں اور عزیزوں سے برتاؤ، رکھ رکھاؤ، وقت کی پابندی یہ سب اُن کی ہی دین ہے۔ میرے تعلق سے ان کی کچھ ہدایتیں تھیں۔ نماز کی پابندی، مغرب سے پہلے گھر آجانا، ساتھ کھانا کھانا اور بات چیت ہلکے لہجہ میں کرنا۔ اگر شام دیر ہو جائے تو کھانے پر انتظار کرنا۔ یہ ایک ایسی تربیت تھی جس سے نہ صرف میں نے فائدہ اُٹھایا بلکہ میرے بچے بھی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ابا میاں کا یہ معمول تھا کہ میرے اسکول سے واپسی پر مجھ کو بٹھا کر کچھ پڑھائی کے بارے میں سُن لیتے تھے۔ اکثر امی جان (دادی) سے پتہ چلتا تھا کہ میری غیر موجودگی میں میری کتابوں اور کاپیوں کا معائنہ بھی کرتے تھے۔ پڑھائی لکھائی کے علاوہ انہیں کھیل کود کا بھی بہت شوق تھا۔ ہمیشہ سے چاہتے تھے کہ میں اپنے اسکول کی ٹیم کا حصہ رہوں۔ جب ہماری ٹیم جیت کر آتی تھی تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ یہ اُن کی نیک نیتی، صبر، محنت، عبادت، تھی جس کا پھل ہمارے تمام چچا، پھوپھی، ہمارے بھائی، بہن، اور بھائی (والد) صاحب کھا رہے ہیں۔

اسی میں امی جان (دادی) کی دعاؤں کا بھی اثر شامل ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمارے ابا میاں اور امی جان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

اصلاح حال

شخصیت سازی کے چند رہنما اصول

محمد عثمان خان ندوی

شخصیت سازی

کسی شخصیت کے اندر اس کی اعلیٰ خصوصیات میں عموماً تین محرکات کا اہم رول ہوا کرتا ہے، جیسے گھریلو تربیت اور درسگاہ یعنی تعلیمی میدان اور وہاں کا ماحول۔ گھریلو تربیت میں وہ ساری باتیں شامل ہیں جو موجودہ وقت میں بہت ہی کم دیکھنے میں آتی ہیں، مثلاً بچوں کو سبق آموز کہانیوں کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام کے قصے سنانا، دین اسلام سے قریب کرنے کی کوشش کرنا، اچھی کتابوں کے پڑھنے اور ان کے مطالعہ کی ترغیب دینا، خاص کر موجودہ وقت میں اردو زبان کا مطالعہ بھی اپنے اہل خانہ کو اپنی تہذیب اور اپنے مذہب سے جوڑنے کا ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ کیونکہ آج بھی برصغیر میں زیادہ تر دین اسلام کا اثاثہ اردو زبان ہی میں ہے، اور ساتھ ہی بڑے بزرگوں اور کامیاب لوگوں کے حالات زندگی سے واقف کرانا، اور ان میں صبر وتحمل، رواداری، انصاف وصلح پسندی کے جذبات پیدا کرنا۔ تیسرا پہلو ماحول کا آتا ہے کیونکہ ماحول ہی انسان کی شخصیت اور اخلاق کو بناتا اور بگاڑتا ہے، موجودہ دور میں ہم لوگ ماحول خراب ہونے کا رونا تو روتے ہیں، مگر ماحول کو بہتر بنانے کی قطعی فکر نہیں کرتے۔ دراصل بچوں کی ناپسندیدہ اور غلط عادتوں کا سرچشمہ ماحول اور پاس پڑوس کے بگڑے ہوئے بچے ہی ہوتے ہیں۔

ذمہ داریوں سے فرار

ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مسلم نوجوانوں کی بے راہ روی یا غلط کاموں میں ملوث ہونے کی خبریں، ڈرگ یا دوسرے ذرائع سے ناجائز دولت کا حصول، یا حصول معاش میں حرام کو حلال بنانے کی کوششیں (آبادی میں تناسب کم ہونے کے باوجود) جیلوں میں بند مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، یا موجودہ تعلیمی حالات جو ہمیں خواب غفلت سے جاگنے کا پیغام دے رہے ہیں، کہیں کسی مجلس میں جب اس موضوع پر بات نکل آئے، تو ہمارے لیے آسان راستہ یہی ہوتا ہے کہ ماحول اور معاشرے کی خرابی پر لعن طعن کر کے اپنی ذمہ داریوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تاریخ ان ہی لوگوں کو یاد کرتی ہے جو اپنی صلاحیتوں کو مثبت طریقے سے استعمال کر کے معاشرے میں اپنے حصے کا کردار بطریق احسن ادا کرتے ہیں، اس کے پیچھے گھر، بہتر ماحول اور اچھی صحبت کے اثرات ہوتے ہیں اور یہی کردار سازی کے بنیادی عوامل ہیں کیونکہ نفاست اور شرافت مزاج اور کردار میں آئے تو تب ہی بات بنتی ہے، بقول کسے:

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں سکتی
شرافت نفس میں ہوگی تو بندہ پارسا ہوگا

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں اور حیوانوں میں بنیادی فرق ہی کردار کا حسن اور خوبی ہے۔

ماحول کا اثر

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے انسانی زندگی پر ماحول کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ: ’’خارجی عوامل انسان پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں وہ بنیادی طور پر دو ہیں: ایک ماحول اور دوسرا تعلیم، تعلیم کا مطلب تو واضح ہے، ماحول کے معنی گرد وپیش کے ہیں، آدمی جن لوگوں کے درمیان رہتا ہے، فکر ونظر اور عملی زندگی میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر اس کو نیک، شریف اور بااخلاق لوگوں کا ماحول میسر آجاتا ہے تو اس کی فطری صلاحیت پروان چڑھتی ہے اور اس کی خوبیاں دوچند ہو جاتی ہیں‘‘۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ نے اسی گھریلو ماحول کے تعلق سے ارشاد فرمایا ہے کہ: ’’اگر گھر کا ماحول اچھا ہو، ماں باپ محتاط اور کسی نہ کسی حد تک مثالی زندگی گزارتے ہوں تو تنہا یہی بات لڑکے کے لیے تربیت کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتی ہے، لڑکا اپنی ماں اور اپنے باپ کو دنیا کا سب سے بڑا اور مکمل اعلیٰ خصوصیات کا حامل سمجھتا ہے اس لیے اس کے لیے وہی نمونہ اور آئیڈیل ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کی نسبت اسی گھریلو ماحول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ’’گھر کے ماحول، خاندانی اثرات اور فطرت سلیمہ کی بناء پر محمد میاں کو اہل قلوب اور خاصانِ خدا سے گہری عقیدت تھی اور وہ تزکیہ نفس اور تعلق مع اللہ کی اہمیت وضرورت سمجھتے تھے، اسی جذبہ نے اس زمانہ میں جب وہ اپنے علمی وادبی مشاغل میں منہمک تھے، ان کے قلم سے اپنے خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت

سید احمد شہیدؒ کے جد امجد اور گیارہویں صدی ہجری کے ممتاز ترین متبع سنت وحامی شریعت شیخ حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت لکھوائی جو جولائی ۱۹۷۰ء میں ''تذکرۂ حضرت سید شاہ علم اللہ'' کے نام سے شائع ہوئی، وہ ان کی مؤثر ترین تحریروں میں ہے''۔ ایک جگہ اور لکھا ہے کہ: '' خاندانی اور موروثی اثرات بڑے طاقتور ہوتے ہیں، وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں''۔ [پرانے چراغ]

علامہ یوسف القرضاویؒ نے اولاد کی بنیادی تربیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''انسان کی صحیح تربیت کے لیے سب سے پہلی اس کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے، اور وہ اس طرح کہ اس کے دل میں درست عقیدہ کا پودا لگا دیا جائے، یہ عقیدہ دنیا کے بارے میں اور خود انسان کے بارے میں اس کے نظریہ کو درست کر دیتا ہے، زندگی کے بارے میں اور اس کے رب کے بارے میں اس کے نظریہ کی تصحیح کرتا ہے جو اس کا خالق ہے جس نے اسے زندگی بخشی ہے، یہ عقیدہ انسان کو اس کے آغاز اور انجام کے بارے میں خبردار کرتا ہے، یہ انہیں ان سولات کا جواب دیتا ہے جو بے دین لوگوں کو ہر وقت پریشان کرتے رہتے ہیں، میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ اور کہاں جانا ہے؟ اور کس لیے پیدا کیا گیا ہوں؟ زندگی اور موت کیا ہیں؟''۔

عقیدہ مسلمان کے لیے وہ بنیادی چیز ہے جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، جس کا عقیدہ جتنا صحیح اور مضبوط ہوگا، اس کا عمل بھی اتنا ہی صحیح و مضبوط ہوگا اور جس کا عقیدہ جتنا کمزور ہوگا، اس کا عمل بھی اتنا ہی کمزور ہوگا، لہٰذا عقیدہ کو صحیح کرنا اور دل کے یقین کو مضبوط بنانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

معاشرہ کی اصلاح

معاشرہ کی اصلاح دراصل اصلاح معاشرہ کا اسلامی تصور ہی کہ انسان اپنے عقائد، اخلاق، اعمال اور معاملات میں درست راہ پر ہو اور یہ ضابطہ ہر شخص کے لیے ہے کیونکہ ہر فرد جب درست ہوگا تو معاشرہ بھی درست ہوگا، اس لیے معاشرہ افراد ہی کی اجتماعی شکل کا نام ہے، جس معاشرے کے افراد اخلاقی، علمی اور عملی اعتبار سے غیر مہذب ہوں گے وہ معاشرہ ایک خراب معاشرہ کہلائے گا، مذہب اسلام واحد مذہب ہے جس نے اچھا معاشرہ کس طرح قائم کیا جائے، اس نے اس کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا ہے، مثال کے طور پر سورہ نحل کی آیت نمبر ۹۰ ''اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَان......الخ'' اس آیت کریمہ میں ضمناً ہمیں پاکیزہ معاشرہ کے قیام کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ایک معاشرہ میں اگر یہ باتیں پائی گئیں تو وہ دنیا کا سب سے پاکیزہ معاشرہ ہوگا، کیوکہ جس معاشرہ میں عدل و انصاف ہوگا وہاں سے ظلم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اسلام کی بنیاد توحید ورسالت پر

سوال یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد توحید ورسالت، نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ کو کیوں بنایا گیا؟ سیاسیات، اقتصادیات اور فوج واسلحہ کو کیوں نہیں بنایا گیا؟ تو اسلام کی بنیاد اللہ جل شانہ نے ان اعمال کو قرار دیا ہے، اگر وہ اعمال حقیقی اعتبار سے انسانوں کے اندر آجائیں، اس کی بعد ایسا انسان جس منصب اور جس مقام پر بھی پہنچ جائے وہ وہاں پہنچنے کے بعد ایسا انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ بن کر اللہ جل شانہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے کی کوشش اور فکر کرے گا، اور اس کی ہر صلاحیت اللہ جل شانہ کی مخلوق کو نفع اور فائدہ پہنچانے پر خرچ ہوگی۔

تربیت کا بنیادی پہلو

علماء کرام نے لکھا ہے کہ اصلاح کے میدان میں اہم ترین ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ معاشرہ کی تعمیر سے پہلے فرد کی تعمیر کا اہتمام کیا جائے۔ کیونکہ ایک بہتر معاشرہ کی تشکیل کے لیے افراد کی تربیت بہت ضروری ہے، تربیت سے ہی افراد بنتے ہیں اور افراد سے معاشرہ جنم لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نظام اور اداروں میں انقلاب لانے سے پہلے فرد میں انقلاب لانے کی فکر کرنی چاہیے، قرآن کریم کی روشنی میں کہ کسی بھی انقلاب کے لیے نفس کی تبدیلی ضروری ہے۔ ترجمہ: ''یقیناً اللہ بدلتا نہیں اس حالت کو جو کسی قوم کے ساتھ ہے، یہاں تک کہ وہ خود نہ بدلیں اس کو جو ان کے اندر ون میں ہے'' [سورۃ الرعد: ۱۱] بقول علماء کرام: ''یہ ہر اصلاح، ہر تبدیلی اور ہر اجتماعی تعمیر کی بنیاد ہے، فرد پوری عمارت کی بنیاد ہے اس لیے ابتداء یہیں سے کرنا ضروری ہوتا ہے، ایک اچھی اور مضبوط عمارت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اگر اس کی اینٹیں بوسیدہ اور خراب ہوں''۔

غیر معیاری کتابیں

فحش لٹریچر اور غیر معیاری کتابیں جن سے اخلاقیات پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان کے مطالعے سے بچوں کو منع کریں۔ بدکردار، بد اخلاق لڑکوں سے حتی الامکان دور رکھنے کی کوشش کریں، اگر برے لڑکوں سے دور رکھنے میں آپ کامیاب ہوگئے تو گویا آپنے اپنے بچے کی نصف تربیت سے خود کفیل ہوگئے۔..........

..........بقیہ صفحہ ۲۷ پر

انوارِ ربانی

خیر کی تین باتیں

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

قرآن مجید کی مختلف آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا ذکر آیا ہوا ہے؛ لیکن ایک آیت ایسی ہے، جو مامورات اور منہیات کی جامع ہے؛ بل کہ اس آیت کو ''اصول اخلاق'' کا جامع بھی کہا جاسکتا ہے، جس پر پورے انسانی معاشرہ کی درستی کا انحصار ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رشد وہدایت اور خیر و بھلائی کے پانے کے لیے یہ سب سے جامع ترین آیت ہے۔[مفاتیح الغیب: ج۹/ ص ۶۱۵]، یہ سورۂ نحل کی آیت نمبر (۹۰) ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:'' إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ''[النحل: ۹۰] (اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے (صلہ رحمی کرنے) کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے اور تین چیزوں سے روکا ہے، جن تین چیزوں کا حکم دیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

۱-عدل: اس کے لغوی معنی ''الأمر المتوسط بين نقيضين متطرفين'' [معجم الرائد ص: ۵۴۳] (دو انتہائی متضاد چیزوں کے مابین درمیانی معاملہ) کے ہیں، اردو میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو ''توازن وتناسب'' سے کر سکتے ہیں، اردو کے لفظ ''انصاف'' سے اس کا ترجمہ کرنا بے انصافی ہے؛ کیوں کہ انصاف کے معنی ''برابری'' اور مساوات'' کے آتے ہیں، جب کہ عدل یہ ہے کہ جس چیز کو جس جگہ پر ہونا چاہیے، اس کو اسی جگہ پر رکھنا، اس کی ضد ''جور'' اور ''ظلم'' آتی ہے، جس کے معنی کسی بھی چیز کو اسی جگہ کے علاوہ رکھنا، جاحظ لکھتے ہیں:'' العدل: هو استعمال الأمور في مواضعها وأوقاتها ووجوهها ومقاديرها من غير سرف ولا تقصير ولا تقديم ولا تاخير'' [تهذيب الأخلاق، ص: ۲۸] (امور کو ان کی جگہوں، اوقات، پہلوؤں اور مقداروں میں کمی وکوتاہی اور تقدیم و تاخیر کے بغیر استعمال کرنا عدل ہے)، اس لحاظ سے عدل اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی وتمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کرے۔

یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ: ''عدل'' کے اور بھی معانی بتلائے گئے ہیں: مثلاً: کلمۂ شہادت، فرض، انصاف اور ظاہر وباطن کی پاکی وغیرہ، ابن عطیہ کہتے ہیں:'' العدل: هو كل مفروض من عقائد وشرائع في أداء الأمانات وترك الظلم والإنصاف'' [الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ج ۱۰/ص ۱۶۵] (امانتوں کی ادائے گی میں عقائد وشرائع میں سے تمام فرائض، انصاف اور ظلم کو چھوڑنا عدل ہے)۔

اب اس ''عدل'' کی ادائیگی کے تین اہم پہلو ہیں: [احکام القرآن لابن العربی: ج۵/ص ۱۹۸]:

(الف) اللہ اور بندہ کے مابین عدل: اللہ اور بندہ کے مابین عدل یہ ہے کہ بندہ اپنی لذت کوشیوں پر حقوق اللہ کو ترجیح دے اور اپنی خواہشات پر اللہ کی رضامندی کو مقدم رکھے، نیز اللہ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب اور حکم کردہ چیزوں کی بجا آوری کرے۔

(ب) بندہ اور اس کے اپنے نفس کے مابین عدل: بندہ اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو ان تمام چیزوں سے روکے رکھے، جس میں اس کی ہلاکت ہو، حرص وہوس، کبروغرور اور سوء ظن کے علاوہ باطنی خبث سے اسے پاک رکھے، نیز ہر حال میں اسے قانع بنائے۔

(ج) بندہ اور خلقِ خدا کے مابین عدل: بندہ اور مخلوق کے مابین عدل یہ ہے کہ اس کے لیے خیر خواہی کرے، اس کے ساتھ خیانت نہ کرے، کسی کے ساتھ قول وعمل کے ذریعہ سے برا سلوک نہ کرے، نہ علانیہ طور پر اور نہ پیٹھ پیچھے اور لوگوں کے ہر معاملہ میں اپنی جانب سے انصاف کی کوشش کرے۔

غور کیا جائے تو ان تین پہلوؤں پر عمل انسان کی نجات کے لیے کافی ہے؛ کیوں کہ اس میں حقوق اللہ کی ادائیگی بھی آگئی اور حقوق العباد کی ادائیگی بھی، وہ بھی اس طریقہ پر، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا ہے، جسے دوسرے الفاظ میں ''فرائض'' سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کا جو حق ہے، اس کو اس کا حق پورا پورا دیا جائے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے، مکمل طور پر اس طریقہ پر کی جائے، جس کا حکم اللہ کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم نے ”صلوا کما رأیتمونی أصلی“ میں دیا ہے، والد کی وفات کے بعد میراث کی تقسیم اس طریقہ پر عمل میں آئے گی، جو قرآن میں بتایا گیا ہے، یعنی بھائی کو بہن کے مقابلہ میں دو حصے: للذکر مثل حظ الأنثیین (قرآن)، یہی اس وقت بھی ہوگا، جب اپنا حصہ لینا ہوگا، جتنا حصہ بندہ کا ہوگا، اتنا لینا عدل ہے۔

۲- احسان: دوسرا حکم ”احسان“ کا دیا گیا ہے، جس کے معنیٰ ”اچھا کرنے“ کے آتے ہیں، اسلام نے ہر چیز میں ”احسان“ کو پسند کیا ہے؛ حتی کہ قصاصاً کسی کو قتل اور جانور کے ذبح میں بھی احسان کو حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا: إن اللہ کتب الإحسان علی کل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ولیحد أحدکم شفرته، ولیرح ذبیحته [صحیح مسلم، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل، حدیث نمبر: ۵۱۶۷] (اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کو لازم کیا ہے، لہٰذا جب تم قتل کرو (قصاص وجہاد وغیرہ میں) تو اچھے سے قتل کرو (تڑپا تڑپا کر نہ مارو) اور جب (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے سے ذبح کرو، اس طور پر کہ اپنی چھری کو تیز کرلو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ)۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ: ”عدل، انصاف کو کہتے ہیں اور احسان تفضّل کو“، یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ”عدل سے مراد فرض اور احسان سے مراد نفل ہے“ [الجامع لأحکام القرآن: ج۱۰/ص۱۶۵]، ان تمام کا خلاصہ یہ نکلا کہ: ”احسان“ واجب سے اوپر اٹھ کر مستحب اور مستحسن طریقہ کو اختیار کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جس طرح عقائد وعبادات میں مطلوب ہے، اسی طرح معاملات میں بھی مطلوب ہے، جس طرح حقوق اللہ میں مطلوب ہے، اسی طرح حقوق العباد میں بھی مطلوب ہے۔

اگر عدل واحسان کو باہم مربوط کرکے دیکھیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ: ”عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے، عدل اگر اگر معاشرہ کی ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرنیاں پیدا کرتا ہے“ [تفہیم القرآن: ج۲/ص۵۶۵]، عدل اگر ہر ایک کو اس کا فرض یاد دلاتا ہے تو احسان اس اخلاقی ذمہ داری سے آگاہ کرتا ہے، جو فرض تو نہیں ہیں؛ لیکن اس کی وجہ سے تعلقات مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں، عدل اگر ”ضابطہ“ ہے تو احسان ”رابطہ“ ہے اور جب تک یہ دونوں ساتھ ساتھ نہ ہوں، اس وقت تک کسی معاشرہ، کسی محکمہ، کسی ادارہ اور کسی خاندان کے افراد میں تعلقات مستحکم نہیں ہوسکتے۔

۳- رشتہ داروں کی مالی اعانت: اس آیت میں تیسرا حکم ”رشتہ داروں کی مالی اعانت“ کا دیا گیا ہے، یہ ”احسان“ کی ایک خاص صورت کا ذکر ہے اور یہ ذکر اس لیے اہم ہے کہ اسلام خاندان کو مضبوط اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو اس وقت انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ألا أوصی بمالی کله؟ ”کیوں نہ میں اپنے پورے مال کی وصیت کردوں؟“، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، انھوں نے پھر پوچھا: نصف؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، انھوں نے پھر کہا: فبالثلث؟ ”تو پھر ایک تہائی؟“، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الثلث والثلث کثیر أو کبیر ”ایک تہائی (ٹھیک ہے) حالاں کہ وہ بھی بہت ہے“۔ [مسند احمد: ج۳/ص۴۵]، بخاری کی روایت میں اضافہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے فرمایا: إنك أن تذر ذریتك أغنیاء خیر من أن تذرهم عالةً یتکففون الناس، ولست بنافق نفقة تبتغي بها وجه اللہ إلا آجرك اللہ بها؛ حتی اللقمة تجعلها في امرأتك [صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۹۳۶] (اپنی ذریت کو مالدار بنا کر چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا بنا کر چھوڑا جائے، تم جو بھی خرچ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہو، اللہ تمہیں اس کا اجر دیتا ہے؛ یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی اجر دیتا ہے، جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو)۔

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام یہ نہیں پسند کرتا کہ انسان خود مال ودولت کماتا رہے اور صرف اور صرف اپنی ذات پر خرچ کرتا رہے؛ بل کہ اسے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رشتہ داروں کی بھی مالی اعانت کرنی چاہیے، تفہیم القرآن [ج۲/ص۵۶۵-۵۶۶] میں ہے: ”تیسری چیز، جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے، صلۂ رحمی ہے، جو رشتہ داروں کے معاملے میں احسان کی ایک خاص صورت متعین کرتی ہے، اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور خوشی وغمی میں ان کا شریک حال ہو اور جائز حدود کے اندر ان کا حامی ومددگار رہے؛ بل کہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہر صاحبِ استطاعت شخص اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے؛ بل کہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے، شریعتِ الٰہی ہر خاندان کے خوش حال افراد کو اس امر کا ذمہ

دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں، اس کی نگاہ میں ایک معاشرے کی اِس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ اس کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کو محتاج ہوں، وہ خاندان کو معاشرے کا ایک اہم عنصرِ ترکیبی قرار دیتی ہے اور یہ اصول پیش کرتی ہے کہ ہر خاندان کے غریب افراد کا پہلا حق اپنے خاندان کے خوش حال افراد پر ہے، پھر دوسروں پر ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں، یہی بات ہے، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مختلف ارشادات میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین، اس کے بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں، پھر وہ، جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور پھر وہ، جو ان کے بعد قریب تر ہوں اور یہی اصول ہے، جس کی بنا پر حضرت عمرؓ نے ایک یتیم بچے کے چچازاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس معاشرے کا ہر واحدہ (Unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے، اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوش حالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی و بلندی پیدا ہو جائے گی''۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام اقوال، افعال اور احکام میں حق وانصاف کو لازم پکڑیں، ہر ہر معاملہ میں استحباب واستحسان کا خیال رکھتے ہوئے اقارب اور رشتہ داروں کا تعاون وامداد کرتے رہیں؛ تاکہ دین ودنیا کی سعادتیں نصیب ہوں؛ کیوں کہ عدل کے ذریعہ سے ہر صاحب حق کو اس کا حق ملتا ہے، جب کہ احسان کے ذریعہ سے محبت ومودت میں اضافہ ہوتا ہے اور صلہ رحمی کی وجہ سے سماج کئی حیثیتوں سے مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۲۴ کا

سورہ تحریم آیت نمبر ۶ میں ہے۔ ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر سخت مزاج سختی کرنے والے فرشتے ہیں، وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس میں جو اللہ انہیں حکم دے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے''۔ اس لیے توحید اور اسلام کے بنیادی ارکان سے اپنے بچوں کو واقف کرائیں۔ بچے کو خود دار، کم گو، شرم وحیا کا پیکر بنائیں، یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب بچہ برے اور غلط صحبت رکھنے والے بچوں سے دور رہیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: ''إياك وقرين السوء فإنه كالسيف المسلول يروق منظره ويقبح أثره''، یعنی بروں کی صحبت سے بچو کیونکہ برا آدمی حقیقت میں ننگی تلوار کی طرح ہے جو دیکھنے میں تو بہت اچھی لگتی ہے مگر نتیجہ کے اعتبار سے بہت ہی خطرناک ہے۔

والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کی عادتوں اور ان کے طور طریقوں پر گہری نظر رکھیں، بچوں کی خامیوں پر نہ ٹوکنا اور ان کی بڑی غلطیوں کو بچپن کی نادانی قرار دے کر نظر انداز کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس طرح ہی بری عادتیں بچوں میں جڑ پکڑنے لگتی ہیں اور پھر اس وقت ان پر بندش لگانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ بچے کی تربیت میں ان کے والدین کا مرکزی کردار ہوتا ہے۔

اخلاقیات کی تربیت گھر سے شروع ہوتی ہے اس لیے بچوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، ان کی سرگرمیوں اور ان کے کس طرح کے دوست ہیں، نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ کہیں وہ ناسمجھی میں غلط لوگوں کے ساتھ تو شامل نہیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام شعبوں میں امت کو بہترین اخلاق کی تعلیم دی ہے، اگر اس کو اپنایا جائے، تو لوگوں کے درمیان آپس میں کبھی جھگڑا نہیں ہوگا اور ایک کی طرف سے دوسرے کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، بچے اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے، چھوٹا بڑے کا ادب کرے گا، اور بڑا چھوٹے کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرے گا، غرض دین کے پانچوں شعبوں کے ساتھ کامل دین زندگی میں آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''سب سے کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں''۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''قیامت کے دن مومن کے میزانِ عمل میں سے زیادہ جو وزنی چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے''۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: دیوانِ مشائخ
مؤلف: پیر مشائخ رحمۃ اللہ علیہ

زیر نظر میگزین سائز سوا سات سو صفحات پر مشتمل یہ ضخیم الجثہ فخیم الطباعۃ کتاب اپنے سر ورق پر ”خلاصۂ مضامین دیوانِ مشائخ“ کا عنوان رکھتی ہے۔ دیوانِ مشائخ دراصل حضرت پیر مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی گوجری زبان میں منظوم تالیف ہے، جس کا اردو ترجمہ جناب عمران ندوی صاحب، استاد دار العلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات کے قلم سے، اور گجراتی ترجمہ مولوی احمد صاحب کوئٹہ، پٹن کے قلم سے ہے، اور یہ کام مولانا یاسین صاحب کاکوسی مظاہری مدظلہ کی سرپرستی اور نگرانی میں انجام دیا گیا، اور مولانا اسماعیل بھولا ندوی رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء کی خاص توجہ بھی شامل حال رہی۔ زیر نظر نسخہ اصل متن کا عکس، اور اردو اور گجراتی ترجمہ، تینوں کو شامل ہے۔

پیر مشائخ رحمۃ اللہ علیہ گیارہویں صدی میں گجرات کے عظیم مصلحین میں شمار ہوتے ہیں، انھوں نے خاص طور پر ”مومن“ برادری کے مسلمانوں میں کام کیا، اور ان کو شرک و بدعت کی دنیا سے نکال کر صحیح اسلامی عقائد و احکام سے روشناس کرایا۔ یہ مومن قوم جو اپنی خاص تہذیب و معاشرت رکھتی ہے، آٹھویں صدی ہجری میں وقت کے ایک عظیم بزرگ سید پیر کبیر الدین حسن عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی، سید پیر رحمۃ اللہ علیہ ایک سیاح تھے، جنھوں نے اپنی سیاحت کے دوران سندھ اور گجرات کے لوگوں کو اپنی حکمت سے مسلمان کیا، اور وہ ان کے گرویدہ ہوگئے۔ گرچہ ان کے بعد ان کی اولاد نے صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کیا، جس کے نتیجہ میں پوری مومن قوم نے ”ست پنتھی“ مذہب اختیار کرلیا، جو اسماعیلی فرقہ کے نظریات وخیالات سے قریب تر تھا، جس کی وجہ سے آئندہ تاریخی ادوار میں بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی بھی ہوئی کہ سید پیر کبیر الدین حسن شیعہ تھے۔ سید پیر کبیر الدین کی اولاد کی گمراہی اور قوم کی حد سے زیادہ ان سے عقیدت نے دینی تصور میں بڑا فساد پیدا کیا، تاریخ کے مختلف ادوار میں کئی لوگوں نے اصلاح کی کوشش کی؛ لیکن وہ خاطر خواہ کامیاب نہ ہوسکے، تا آنکہ گیارہویں صدی ہجری میں حضرت پیر مشائخ علیہ الرحمۃ کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے انھیں دلِ درمند دیا تھا، اور وہ قومِ ”مومن“ کی دینی حالتِ زار پر فکرمند تھے، انھوں نے پچھلی اصلاحی کوششوں سے سبق لیا، اور دعوت میں حکمت و بصیرت کا طریقہ اختیار کیا؛ انھوں نے دیکھا کہ اس قوم میں نغمہ سرائی کا رجحان ہے، لہٰذا انھوں نے انہی کی گوجری زبان میں دین کی صحیح تشریح وتوضیح کے لیے منظوم کلام تیار کیا؛ یہ تقریباً ۲۴۰۰ نظمیں اور چالیس ہزار اشعار پر مشتمل دیوان تھا، جس کو ”دیوانِ مشائخ“ کا نام دیا گیا۔ اس کتاب میں تیرہ ابواب ہیں؛ پہلا باب بعنوان ”نورِ نامہ“ کائنات کی تخلیق سے لے کر آنحضور صلعم کی ولادتِ با سعادت اور سابقین اولین من المہاجرین والانصار کے تذکرہ سے عبارت ہے، دوسرا باب بعنوان ”معراج نامہ“ واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے اس سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا ہے، تیسرا باب بعنوان ”غزوات“ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے غزوات کی تاریخ وتفصیل بیان کرتا ہے، چوتھے باب میں سیرتِ نبوی کے عنوان سے خصائل وشمائل نبوی اور ازواج وآل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، پانچویں باب میں ”معجزات“ کے عنوان سے نبیوں کے معجزات اور ولیوں کی کرامات کی حقیقت کشائی کرتے ہوئے ان فتوح کا بھی ذکر کرتا ہے جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئیں اور شیخ نے جن کے لیے دعائیں کیں، چھٹے باب میں ”وصال نامہ“ کے عنوان کے تحت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اعزہ واقارب، خدام وموالی، اسلحہ وسواری، خطوط ووصایا وفضائل درود بیان کیے گئے ہیں، ساتویں باب کا عنوان ”خلفائے راشدین“ ہے جس میں ان کے فضائل ومناقب، امامت وخلافت، محبت خلفاء کی تاکید، ان سے عداوت پر وعید اور ان کی شہادت کے واقعات کی تفصیلات ہیں، آٹھویں اور نویں بابوں میں ”مقتول نامہ“ کے عنوان سے واقعۂ کربلا کے ساتھ بعض اہم دیگر وقائع کو بیان کرتے ہوئے تقیہ کا ردّ اور ساداتِ کرام کی فضیلت میں غلو کی بیخ کنی کی گئی ہے، دسواں اور گیارہواں باب ”ایمان نامہ“ سے عبارت ہے، جس میں پوری شرح وبسط کے ساتھ ایمانِ مفصل کو بیان کیا گیا ہے، اور بارہواں اور تیرہواں باب ”عبادت نامہ“ ہے، جس میں ائمۂ فقہاء کے احوال ووظائف، اور ارکانِ اسلام اور شریعت کے بنیادی احکام ومسائل کو

سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت پیر مشائخ علیہ الرحمہ کی یہ حکمت کارگر ثابت ہوئی، ان کے منظوم کلام نے دلوں کو موہ لیا، اور مومن قوم میں اک انقلاب برپا ہوا، اور وہ صراطِ مستقیم کی طرف صدیوں کی کوششوں کے بعد واپس آ گئے۔

لیکن پیر مشائخ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد پھر ایسے پیروں سے اس قوم کا سابقہ پڑا جنھوں نے دوبارہ انھیں گمراہی کی دلدل میں ڈھکیل دیا، اور پیر مشائخ کی تعلیمات مومن سماج سے مٹتی چلی گئیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ’بوڑیے رسم الخط‘ کے، جس میں یہ دیوان لکھا ہوا ہے، جاننے والے ناپید ہونے لگے، اور اس سے استفادہ کا سلسلہ رک گیا۔ مومن قوم جن کو ’’مومن مشائخی‘‘ کا نام غالبًا اسی لیے دیا گیا ہے کہ ہمیشہ مشائخِ طریقت ہی نے ان کی اصلاح کی فکر کی، اور انہی کے توسط سے وہ ہمیشہ راہِ حق سے بھٹکنے کے بعد واپس آ سکے یا پھر پیر مشائخ کی طرف ان کی یہ نسبت ہے‘ احمد آباد، بڑودہ، کاٹھیاواڑ اور پالنپور کے اضلاع کے علاوہ بمبئی وغیرہ میں بھی سکونت پذیر ہے، یہ قوم پانچ فرقوں میں بٹی ہوئی ہے، ۱۔ اہلِ سنت والجماعت، ۲- بریلوی، ۳-اثناعشری شیعہ، ۴-جعفری شیعہ، ۵-آغاخانی۔ مؤخرالذکر کے علاوہ سب ہی فرقے پیر مشائخ علیہ الرحمۃ سے گہری عقیدت وقلبی وابستگی رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے مزاج و مذاق کو دیکھتے ہوئے علماء ودعاۃ گجرات نے، جن میں محدثِ کبیر حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، یہ فیصلہ کیا کہ پیر مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے نصاب ہی کو قابلِ استفادہ بنایا جائے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں عمران ندوی صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں، جن کو نہ صرف یہ کہ گوجری زبان سے واقفیت تھی؛ بلکہ وہ بوڑیے رسم الخط کے بھی ماہر تھے، انھوں نے اولاً اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا، اور پھر اردو ترجمہ کو مولوی احمد پٹنی صاحب نے گجراتی میں منتقل کیا، دونوں ہی ترجمے اس نسخہ میں شامل کردیے گیے، اور ساتھ ہی میں بوڑیے رسم الخط والے نسخہ کا عکس بھی ان ترجموں کے مقابل رکھا گیا؛ تاکہ کسی قسم کا شبہ واعتراض باقی نہ رہ سکے، اور لوگ پورے اطمینان کے ساتھ اس ترجمہ کو قبول کرکے دیوانِ مشائخ سے استفادہ کرسکیں۔

اس کتاب یا دیوان کی اہمیت اور صداقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ماضی قریب کی ایک داعی شخصیت مولانا نذیر میاں پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں اسی کتاب کے ذریعہ قوم کی اصلاح کی کوشش کی تو گمراہ پیروں نے اس کے نسخے ضائع کروانے کی ناکام سازش کی؛ وہ جانتے تھے کہ اس کتاب کے ذریعہ دی جانے والی تعلیم ان کے مادیت پر مبنی مفادات پر کاری ضرب لگائے گی، اور ان کے گمراہانہ نظریات وعقائد کی ترویج میں مانع ہوگی۔

اس دیوان کے مضامین ومشمولات پر اک سرسری نگاہ ڈالنے سے جہاں ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم وتربیت کے باب میں اس کی کتنی اہمیت وافادیت ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پیر مشائخ علیہ الرحمہ کا اسلوب قرآنی اسلوب سے کافی ملتا جلتا ہے؛ جس میں بے لاگ ودوٹوک انداز ہے، حق کا جلال ہے، طنز وتسفیہ ہے، قوتِ استدلال ہے، اور بلسان نبوت ”جئتكم بها بيضاء نقية“ کا حسنِ مصداق ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جس سے مذکورہ بالا امور کے ساتھ ترجمہ کی عمدگی اور قادر بیانی بھی عیاں ہوجاتی ہے:

’’اے منافقو! دین کی باتیں توجہ سے سنو، رات یا دن کے کسی بھی حصہ میں موت آ سکتی ہے، اس لیے ہوشیار ہوجاؤ اور دین کی باتیں سنو!۔ تم نے کھیت (دنیا) کا ایک حصہ چن لیا ہے اور دوسرا (آخرت) گنوادیا ہے...... ہائے رے احمق تجھے یہ کہاں کی سوجھی؟ ایسے تو لوگ کئی غلط راہوں پر چلتے ہیں؛ لیکن تمہارا دین تو سارے عالم سے جداگانہ ہے، اور دوسروں کو غلط کہتے ہو، اور خود کو صحیح کہتے ہو، جب کہ تم نے چھ مذاہب سے لے کر اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کرلیا ہے، اور پھر ان چھ مذاہب کو غلط کہتے ہو، حالانکہ تمہارے مذہب کا ماخذ تو وہی مذاہب ہیں، تو پھر تمہارا مذہب کیسے حق ہوگیا؟!!!‘‘۔

مترجم نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ کیا ہے؛ بلکہ مکرر مقامات کو حذف کرکے اصل کتاب کے حجم کو کافی حد تک کم کیا ہے؛ تاکہ کتاب کا حمل ونقل بھی آسان ہوجائے اور استفادہ کی ترغیب بھی ہو۔

راقمِ سطور کی نگاہ میں ’’دیوانِ مشائخ‘‘ کو بفرقِ نظم ونثر، شیخ سعید نورسی کے رسائلِ نورسی سے بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے، جس نے ترکی میں اسلام کی بڑی حد تک ترجمانی کرکے اس کی بنیادوں کو منہدم ہونے سے محفوظ رکھا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس کے اردو ترجمہ کو اہلِ اردو کے لیے الگ سے بھی نشر کیا جائے۔

مرشدِ امت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقیع مقدمہ کے ساتھ دارالعلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی گجرات سے شائع ہوکر لکھنؤ اور دیوبند میں بھی دستیاب ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۷۳۷۵۶۵۱۰۹

☆☆☆☆☆

رودادِ چمن

شعبۂ اختصاص برائے علوم فقہ کا

ایک علمی و تربیتی سفر

ترتیب وپیشکش: محمد مصعب بارہ بنکوی

بہت دنوں سے دل میں یہ خواہش تھی کہ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ اور المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کو دیکھنے اور اس کے نظام کو سمجھنے کا موقع ملے، بالآخر یہ تمنا برآئی اور میرے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہوئی کہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ایک تحقیقی، علمی وثقافتی سفر کی غرض سے اختصاص فی علوم الفقہ کے طلباء کو ۳/ایام کے لیے صوبہ بہار کی راجدھانی پٹنہ روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

حضرت ناظم صاحب مدظلہ اور استاذ محترم مفتی عتیق احمد بستوی کے مشورہ سے بروز پیر ۱۸/دسمبر کو اختصاص کے طلباء استاذ محترم مفتی محمد ظفر عالم ندوی کی معیت میں صبح کو روانہ ہوئے، ٹرین اپنے مقررہ وقت ۱۰/بجے لکھنؤ سے پٹنہ کے لیے چل پڑی اور رات سوا دس بجے پٹنہ اسٹیشن پہونچ گئی، پٹنہ اسٹیشن سے پھلواری شریف جانے کے لیے ہم لوگوں نے آٹو رکشا کرایہ پر لیا، تینوں دن قیام المعہد العالی میں ہونا تھا، اس لیے سب سے پہلے المعہد پہونچے، پُرتپاک استقبال کیا گیا، رات ہوگئی تھی، تکلفات سے پرے ہوکر سیدھے ہم لوگوں کو کھانے پر بٹھا دیا گیا، کھانے کے بعد کمرے کی چابیاں مل گئیں، ایک کمرے میں دو دو کسی میں تین اور کسی میں چار چار لوگوں کے حساب سے بیڈ لگا دیے گئے تھے، کمروں کو سلیقے کے ساتھ نفاست سے ترتیب دیا گیا تھا۔

المعد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء ایک خوبصورت عالی شان صاف وشفاف عمارت میں قائم ہے، جس کا قیام ۱۹۹۸ء میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے ذریعہ امارت شرعیہ ہی کے تحت ہوا تھا، یہ دو سالہ کورس ہے، ہر سال پچیس طلبہ کا داخلہ ہوتا ہے، یہاں افتاء اور قضاء کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کی عملی مشق کے لیے طلباء امارت شرعیہ میں قائم دارالافتاء اور دارالقضاء میں جاتے ہیں۔

اگلے دن ۱۹/دسمبر صبح المعہد کے مہتمم مولانا عبد الباسط ندوی سے ملاقات ہوئی، خدا ان کو جزائے خیر سے نوازے، مولانا بڑے ہی مشفق، انسان دوست، مہمان نواز شخص ہیں۔ مولانا نے امارت شرعیہ اور المعہد کا جامع تعارف پیش کیا، پھر ہم امارت شرعیہ کی طرف چل پڑے، وہاں بھی خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ امیر شریعت جناب مولانا احمد فیصل ولی رحمانی زید مجدہ اور دیگر حضرات کسی پروگرام کی وجہ سے جھارکھنڈ کے سفر پر ہیں، امارت کے سارے دفاتر کو ہم لوگوں نے دیکھا، کس دفتر میں کون سا کام ہوتا ہے؟ وہ ہمیں بتایا گیا اور امارت کے قیام سے لے کر اب تک جو فیصلے ہوئے ہیں، ان کے رجسٹر بھی دیکھائے گئے، چند ایک کو ہم لوگوں نے پڑھ کر بھی دیکھا، مثلاً خلع وغیرہ کے جو فیصلے تھے، قضاء کے نظام کو، فیصلہ کرنے کے طریقہ کار کو بھی سمجھنے کا موقع ملا، امارت شرعیہ کے تحت چلنے والے وہ ادارے جو امارت سے متصل تھے، ان کو بھی ہم لوگوں نے دیکھا، جیسے ہاسپٹل وغیرہ، امارت شرعیہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے، اسکا قیام ۲۶/جون ۱۹۲۱ء کو عمل میں آیا، یہ ایک بلند نصب العین کا نام ہے، فقہائے اسلام نے ان اسلامی ملکوں کے لیے جہاں کفار مسلط ہوجائیں بلحاظ نصوص واحکام جماعت یہ حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے خود والی منتخب کر کے ولایت شرعیہ قائم کریں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نظامہائے حکومت میں فلاح انسانیت اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورا کرنے میں اگر کوئی نظام حکومت مفید ثابت ہوسکتا ہے تو وہ خدا کا بنایا ہوا نظام ہے، امارت شرعیہ کا قیام بھی اسی مقصد کے تحت ہوا کہ مسلمان خود اپنا ایک والی منتخب کریں اور تمام مسلمان اپنے معاملات ومسائل کو امارت کے نظام کے تحت اسلامی طریقہ پر حل کرسکیں، امارت کا دائرہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ تک پھیلا ہوا ہے، خدا امارت کے نظام کو مزید وسیع تر کرے۔

اب ہم لوگ امارت شرعیہ سے واپس المعہد آگئے، نماز ظہر اور کھانا وغیرہ سے فراغت کے بعد کچھ دیر آرام کیا، عصر کے بعد خانقاہ مجیبیہ کی طرف گئے، خانقاہ مجیبیہ ہندوستان کی قدیم خانقاہوں میں سے ایک ہے، امارت شرعیہ کے امیر شریعت اول مولانا سید شاہ بدرالدین قادری، امیر شریعت ثانی سید شاہ محی الدین قادری اور امیر شریعت ثالث سید شاہ قمر الدین قادری اسی خانقاہ کے سجادگان میں سے تھے۔

شروع شروع میں امارت شرعیہ کا قیام بھی اسی خانقاہ میں ہوا تھا، اس وقت موجودہ سجادہ نشیں شاہ آیۃ اللہ صاحب ہیں، عصر اور مغرب کے بیچ ان سے مختصر ملاقات اور گفتگو ہوئی، وہاں پر دلچسپ بات یہ معلوم ہوئی کہ خانقاہ کے بزرگوں

کی روایت رہی ہے کہ جو بھی سجادہ نشیں ہوتا ہے وہ حج وعمرہ کے سفر کے علاوہ کہیں دوسری جگہ کا سفر نہیں کرسکتا، مغرب کی نماز خانقاہ میں ادا کرنے کے بعد قیام گاہ کی طرف واپسی ہوئی۔

اگلے دن ۲۰/دسمبر صبح ناشتے کے بعد خدا بخش لائبریری کی طرف روانہ ہوئے، خدابخش لائبریری کے بانی مولوی خدا بخش خان ہیں، استنبول عوامی کتب خانے کے بعد دوسرے نمبر پر اس لائبریری کا شمار ہوتا ہے، یہاں قرآن شریف کے بہت ہی نایاب نسخے موجود ہیں، خلافت عباسیہ کا مشہور خطاط ''یاقوت مستعصمی'' کے ہاتھ کا لکھا ہوا بہت ہی خوبصورت قرآن مجید یہاں موجود ہے، اس کتب خانے میں بہت سے ایسے مخطوطات نادرہ موجود ہیں جو کسی اور لائبریری میں نہیں ہیں۔ تیمور نامہ، شاہ نامہ فردوسی، دیوان حافظ وغیرہ جیسے خوبصورت مخطوطات یہاں دیکھنے کو ملے۔

لائبریری کے بعد ڈاکٹر عبدالحی جو بڑے ہی نیک، اہل علم سے محبت کرنے والے اور انسانیت دوست شخص ہیں، ان کے اصرار پر ہم لوگ ان کے ہاں بھی گئے، پارس نام سے انکا ہاسپٹل بہت ہی مشہور ہے، ڈاکٹر صاحب نرسنگ کالج بھی چلا رہے ہیں، خدمت خلق کا فریضہ بحسن خوبی انجام دے رہے ہیں، خدا ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

وہاں سے فارغ ہوکر ہم لوگ پٹنہ میوزیم گئے، یہ ایک قدیم میوزیم ہے، یہاں پر گوتم بدھ کے زمانے کی مورتیاں اور پتھروں پر قدیم نقاشی دیکھنے کو ملی، اب شام ہوچکی تھی، ہم لوگ لوٹ کر المعہد آ گئے تھے، مغرب بعد المعہد کے کانفرنس ہال میں ہم لوگوں کے لیے ایک پروگرام رکھا گیا تھا، مفتی محمد ظفر عالم ندوی نے آداب مفتی اور اہمیت قضاء پر بڑا ہی قیمتی اور جامع محاضرہ پیش کیا، پھر ہم میں سے کچھ طلباء نے اپنے مقالے پیش کیے، ان مقالات میں دار العلوم ندوۃ العلماء کا تعارف اور اس کا منہج پیش کیا گیا، امارت شرعیہ کے مقاصد پر بھی روشنی ڈالی گئی اور مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمۃ اللہ کی خدمات کا بھی ذکر ہوا، راقم سطور نے بھی شیخ شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کی اصلاحی خدمات پر مقالہ پیش کیا، یہ پروگرام عشاء تک چلتا رہا، بعد نماز عشاء کھانا ہوا، اس کے بعد ہم اپنے اپنے کمروں میں آ گئے۔

۲۱/دسمبر کی صبح ہم لوگوں نے راجگیر کا قصد کیا، ایک بس کرایہ پر کی گئی، صبح کا وقت تھا، موسم سرد اور ہر طرف دھند پھیلی ہوئی تھی، جیسے جیسے دن چڑھتا گیا دھند چھٹتی گئی، راستے میں بہار کی مشہور ڈش لٹی چوکھا سے ناشتہ ہوا، راجگیر میں سب سے پہلے ہم اس مقام پر گئے جہاں مخدوم جہاں شرف الحق والدین، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ عبادت وریاضت کیا کرتے تھے، یہ ایک پہاڑ کے پاس ہے، اس جگہ کے متعلق بہت سی عجیب وغریب باتیں بھی مشہور ہیں۔ واللہ اعلم، وہاں ایک گرم پانی کا کنڈ بھی ہے جس سے مسلسل پانی نکلتا رہتا ہے، ہم نے راجگیر کے ان جنگلات اور پہاڑ کو بھی دیکھا جہاں برسوں گوتم بدھ نے ریاضت کی تھی۔

شیخ شرف الدین منیریؒ کی اولاد میں سے مولانا سیف الدین اس وقت سجادہ نشیں ہیں، وہ بہار شریف میں خانقاہ فردوسیہ میں رہتے ہیں، ان کو جب ہم لوگوں کے آنے کی اطلاع ہوئی تو بہار شریف آنے کی دعوت دی اور وہاں ایک مختصر علمی نشست منعقد کرنے کی خواہش ظاہر کی، ہم راجگیر سے ۳/بجے قریب بہار شریف کے لیے نکلے، راستے میں نالندہ یونیورسٹی دیکھی، یہ نہایت قدیم یونیورسٹی ہے، اب وہاں صرف اس کے کھنڈرات باقی ہیں (نالندہ یونیورسٹی کی داستان تفصیل طلب ہے، اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کا کتابچہ ''نالندہ کی سیر'' پڑھنے لائق ہے)۔

وقت کی قلت کے باعث ہم وہاں پر رکے نہیں، بس گاڑی سے دیکھتے ہوئے آگے گزر گئے، مغرب کے وقت خانقاہ فردوسیہ بہار شریف پہونچے، بعد نماز مغرب پروگرام ہوا، جس میں راقم سطور نے شیخ شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کی اصلاحی خدمات پر موقع کی مناسبت سے ایک مقالہ پڑھا، مقالہ کے بعد مولانا سیف الدین کا مختصر تعارفی بیان ہوا، اس کے بعد دسترخوان بچھ گیا، کھانے کے بعد مولانا نے شیخ شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کے مکتوبات کا ترجمہ: ''مکتوبات دوصدی'' کتاب ہم سب کو تحفۃً پیش کی، وہیں پر ہم حضرت مخدوم جہاں یحیٰ منیری کے مزار پر گئے، فاتحہ پڑھی، قبر پر چادر تھی، معلوم کرنے پر پتا چلا کہ قبر کچی ہے، صندل کی عود اور عطر کے گارے سے قبر پر موٹی پرت جمائی گئی ہے۔

شیخ شرف الدین علیہ الرحمہ سے اللہ رب العزت نے بڑی ہی اصلاحی وتجدیدی خدمات لیں، کئی برس تک آپ نے بھیا اور راجگیر کے جنگلات میں عبادت وریاضت اور مراقبے میں گزارے۔ پھر آپ لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور اپنے ارشادات سے لوگوں کے قلوب کی دنیا بدل دی، آپ بلند پایہ عالم دین تھے، اور قرآن وحدیث کا گہرا علم رکھتے تھے، کئی لاکھ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، آپ کے مکتوبات اسلامی ذخیرے میں نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ رہا کہ آپ نے غالی صوفیوں اور جاہل مشائخ کے ذریعہ ہندوستان جیسے ملک میں جو بدعات وخرافات پھیل رہی تھیں، بروقت ان پر ضرب کاری لگائی، اہل سنت والجماعت کی پرزور ترجمانی کی۔

۱۱/بجے کے قریب ہم سب پھلواری شریف

سے پٹنہ پہونچے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، صبح ناشتے کے بعد مولانا عبدالباسط ندوی نے ہم سب طلباء کو کتابوں کا ہدیہ پیش کیا، بہت ہی محبت وشفقت کے ساتھ ہم کو رخصت کیا، خدا مولانا کو صحت وعافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے،۲۲/دسمبر کی تاریخ تھی، ۱۰/بجے ہم پٹنہ اسٹیشن پہونچ چکے تھے، ساڑھے گیارہ بجے ٹرین نے سیٹی بجائی اور لکھنؤ کی طرف چل پڑی۔

یہ سفر ہمارے لیے بڑا مفید ثابت ہوا، خاص کر امارت شرعیہ کا طریقہ کار اور المعہد العالی کا نظام سمجھنے اور کسی حد تک سیکھنے کا موقع ملا، پھر خدا بخش لائبریری میں بہت سی ایسی کتابوں کو بھی دیکھنے کا پڑھنے کا موقع ملا جس کا فقط ذکر ہی سنا تھا۔

آخر میں خدا سے دعا ہے کہ خدا دار العلوم ندوۃ العلماء کو مزید ترقیات سے نوازے اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کا سایہ دراز فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء مولانا اسماعیل بھولا ندوی کی نانی محترمہ زیتون غلام رسول بالسانیہ فیروزپور ضلع بناس کانٹھا گجرات میں طویل علالت کے بعد ۲۷/جمادی الثانی ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۰/جنوری ۲۰۲۴ء بروز بدھ ۹/بجے شب میں انتقال کر گئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ صوم وصلاۃ کی بڑی پابند، نیک اور نہایت سخی وغریب پرور خاتون تھیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت کرے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آمین۔

قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

صدائے کائنات

محمد رافع شاداعظمی ندوی

یہ کائنات
یہ پھیلا ہوا نظام جہاں
یہ رنگ ونور میں لپٹا ہوا
حسین سماں
یہ چاندتارے
یہ سورج
یہ کہکشاں
یہ فلک
یہ آبشار، یہ بادل
یہ ندیاں، یہ زمیں
یہ وادیاں، یہ بیاباں
یہ دشت اور جنگل
یہ اونچے اونچے پہاڑوں
کے سلسلوں کا سفر
یہ پیڑ پودے، یہ باغات،
گلستاں، یہ چمن
یہ شب کے گھور اندھیرے
یہ دن کی تابانی
یہ وقت شام کی لالی
افق پہ پھیلی شفق
یہ مست مست نسیم سحر
سبک رفتار
یہ سخت گرمی کا موسم
یہ جون اور مئی
یہ سردیوں کا زمانہ

یہ آگ انگیٹھی
یہ دن بہار کے
مہکی ہوئی یہ ساری فضا
یہ نغمہ ریز پرندے
یہ چہچہاتے طیور
فضا میں ان کے ترنم سے
ایک کیف وسرور
یہ بادوباراں یہ برسات
یہ گھٹا، یہ ہوا
یہ لُو کے تیز تھپیڑے
یہ دھول اڑتی ہوئی
یہ وقت عہد خزاں کا
بہار لٹتی ہوئی
یہ درس دیتے ہیں انساں کو
سمع وطاعت کا
یہ کہہ رہے ہیں پڑھو پھر
سبق محبت کا
یہ کہہ رہے ہیں مٹادو
نشان نفرت کا
یہ کہہ رہے ہیں چلن عام ہو
عدالت کا
اگر سنو تو یہ کہتے ہیں
نوع انساں سے
مرے خدا کی یہ صناعیاں عبث تو نہیں
یہ کائنات کی رعنائیاں عبث تو نہیں

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: آجکل عورتوں میں یہ فیشن عام ہوگیا ہے کہ اپنے بال کے ساتھ دوسروں کے بال یا مصنوعی بال لگا کر خواتین جوڑے تیار کرتی ہیں تا کہ ان کے بال بڑے اور خوبصورت نظر آئیں، کیا شرع اسلامی میں اس کی اجازت ہے؟

جواب: اسلامی شریعت میں زیب وزینت کے کچھ اصول اور حدود ہیں، ان کے دائرہ میں رہ کر زینت اختیار کرنے کی اجازت ہے، دائرہ سے باہر اجازت نہیں ہے، زینت کے لیے جن چیزوں کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، ان میں دوسری عورتوں کے بال جوڑنے سے منع فرمایا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بال لگانے والی اور اپنے بال کے ساتھ بال لگوانے والی دونوں خواتین پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی ہے: "لعن اللہ الواصلة والموصلة" [مسلم، حدیث نمبر ۵۵۶۵] یہ اور اس قسم کی روایتوں کے پیش نظر فقہاء کا فیصلہ ہے کہ ایک انسان کا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے انسان کا بال جوڑنا حرام ہے، البتہ کسی اور جانور کا بال اپنے جوڑے میں رکھنا یا مصنوعی نائیلون وغیرہ کے بال جوڑے میں لگانا اور خواتین کا اپنے بالوں کے ساتھ جوڑ دینا جائز ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں یہ صراحت ہے کہ: "ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر" (عورتوں کے لیے اپنے بالوں اور جوڑوں میں جانوروں کے بالوں کا کچھ حصہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

سوال: عورتوں کے لیے پاؤں میں مہندی لگانا کیسا ہے، عورتیں بطور زینت اسے استعمال کرتی ہیں، کیا اچھا ہے؟

جواب: عورتوں کے لیے بطور زینت پاؤں میں مہندی لگانے کی اجازت ہے، اگر دوا علاج کی ضرورت ہو تو مردوں کے لیے بھی اس کی اجازت ہے۔[فتاویٰ ہندیہ: ج۵/ص ۳۵۹]

سوال: خواتین کان یا ناک چھدوا سکتی ہیں، کیا اسلام میں ناک اور کان میں زیور پہننا جائز ہے؟

جواب: عورتوں کے لیے ناک کان چھدوانا اور ان میں زیورات پہننا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عید کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی چنانچہ عورتوں نے اپنے کان اور گلے کے زیورات صدقہ کیے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس روایت کے ضمن میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے کان چھدوانا جائز ہے تا کہ اس میں بالی وغیرہ استعمال کی جائے۔[فتح الباری: حدیث نمبر ۳۴۴]

سوال: شوہر کی طرف سے جو زیورات بیوی کو دیے جاتے ہیں اور بیویاں ان کو استعمال کرتی ہیں، سوال یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ شوہر پر ہے یا بیوی پر؟

جواب: شوہر نے زیورات اگر بیوی کی ملکیت میں دیدیا ہے اور بیوی ہی ان زیورات کی مالک ہے، تو زکوٰۃ بیوی پر واجب ہے نہ کہ شوہر پر، ہاں! اگر شوہر نے بیوی کو زیورات محض استعمال کے لیے دیا ہے، بیوی کی ملک میں نہیں دیا ہے تو اس صورت میں شوہر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔[ھدایہ: ج۱/۱۶۵]

سوال: عورتوں کے پاس استعمال کے لیے زیورات ہوتے ہیں، عموماً عورتیں ہی مالک ہوتی ہیں لیکن بعض عورتوں کے پاس زیورات کے علاوہ مال نہیں ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرسکیں، ایسی صورت میں اگر شوہر اپنی طرف سے بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: شوہر اگر بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کردے تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی اور شوہر کو بھی اس کا ثواب ملے گا۔

[فتاویٰ تاتارخانیہ: ج۲/ص ۲۸۴]

سوال: ہمارے ملک ہندوستان میں جہیز کا رواج ہے، بعض بچیوں کے والدین شادی سے قبل بچیوں کے جہیز کا سامان جمع کرتے رہتے ہیں، ان سامانوں میں سونے چاندی کے علاوہ فرنیچر وغیرہ بھی ہوتے ہیں، کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟ اگر ہوگی تو والدین پر یا جس بچی کے لیے یہ جمع کیے گئے ہیں اس پر؟

جواب: سونے یا چاندی یا نقدی رقم اگر شادی کے نام پر جمع کی جائے اور وہ بقدر نصاب ہو تو والدین پر زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ اگر والدین نے اپنی بچیوں کو سونے چاندی یا نقد رقم کا مالک بنادیا اور بچیاں نابالغ ہیں یا وہ بالغ تو ہیں لیکن مال بقدر نصاب نہ ہو تو بچیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، رہا وہ سامان جو گھر میں استعمال کے ہوتے ہیں، جیسے فرنیچر، فریج وغیرہ تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے نہ والدین پر اور نہ بچیوں پر۔[ردالمحتار: ج۳/۱۸۲]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالیٰ

Date 25th January 2024

تاریخ ۲۵/جنوری ۲۰۲۴ء

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کران تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اوران کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات A/c No. 1086 3759 711

تعمیرات A/c No. 1086 3759 733

زکوٰۃ A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN000125 - STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK

https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اوراس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا